لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ




# مجھے ہے حکمِ اذاں

# مجھے ہے حکمِ اذاں

## لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ملّت اسلامیہ کے شاہین جوانوں کا ولولہ جہاد انکی زبانی ان کے الفاظ میں

مسلمانوں کے اتحاد کا نشان

# تنظیم الجہاد ۳۱۳ پاکستان

# تعارف

از،
عفت اللہ
چیئرمین تنظیم الجہاد ۳۱۳ پاکستان،

تنظیم الجہاد ۳۱۳ پاکستان ملت اسلامیہ کا ایک وسیع تر پلیٹ فارم ہے جو کہ فرقہ واریت، سیاسی خلفشار، علاقہ پرستی، لسانی اور نسلی تعصب کے خاتمہ کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ ہمارے اسلاف کی درخشندہ روایات اسی جذبۂ جہاد سے مرکب رہی ہیں۔ جن میں خواتین نے بھی مردوں کے دوش بدوش بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تاریخ اسلام اس امر پر شاہد ہے کہ مجاہدات نے عام نفسی جہاد سے لے کر میدان کارزار تک کے جہاد میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔

تنظیم الجہاد ۳۱۳ پاکستان کا دستور و منشور بھی اسلاف کی انہی تابندہ روایات کا حامل ہے۔ جس میں حضرات و خواتین سبھی حصہ لے سکتے ہیں۔ تنظیم الجہاد ایک ایسی فعال تنظیم ہے جو کہ خالصتاً اللہ کی رضا، اور مسلمانوں کے عروج کے لیے معرض وجود میں آئی ہے۔

تنظیم الجہاد کا اولین مقصد نئی نسل کو کفر و الحاد اور لادینی نظریات اور اس کے ساتھ کٹر عصبیت کے سم قاتل سے بچانا ہے۔

## تنظیم الجہاد علامہ اقبالؒ کے نقطۂ نظر

ع آتجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے

شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

کے جذبہ جہاد اور ولولۂ شوق سے لیس ہے۔ ہم تمام عالم اسلام کو ایک پرچم تلے دیکھنے کے خواہاں ہیں لیکن اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے مسلم نوجوان نسل میں صحیح اسلامی روح پیدا کرنا ایک ناگزیر امر ہے۔ اور ہم اِس سلسلہ میں پوری طرح مطمئن ہیں کہ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہم مجاہدین و مجاہداتِ ملتِ اسلامیہ کے تابندہ ماضی کی روشنی میں جو بھی قدم اٹھائیں گے وہ انشاء اللہ ہمارے درخشندہ مستقبل کا ضامن ہو گا۔ ملّت اسلامیہ کی سربلندی کی خاطر ہماری یہ مساعی صرف اِس مملکت خداداد تک ہی محدود نہیں ہونی چاہییں بلکہ تمام عالم اسلام کو اس کی اشد ضرورت ہے۔

اگر امّت مسلمہ آج بھی متّحد و منظم ہو جائے تو لادینی اور سامراجی طاقتوں کو کبھی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف دم مار سکیں۔ یہ ہماری بدنظمی، بے اتحادی اور بے حسی

کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا میں مسلم اقلیتوں کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی جارہی ہے۔ سرزمین فلسطین و کشمیر و افغانستان میں ہماری عزت نفسی و ملی کو پامال کیا جا رہا ہے۔ اندریں حالات آپ لوگوں کی یہ تنظیم الجہاد ۳۱۳ پاکستان باطل قوتوں کی ان تمام چیرہ دستیوں کیخلاف کھلے جہاد کا نشان ہے مگر ان تمام مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اہل فکر و نظر کے تعاون کی ضرورت ہے۔

اور آخر میں میں اس مشن کے مثبت اور حوصلہ افزا نتائج کی یقین دہانی کراتے ہوئے صرف یہی کہوں گا کہ ع ہمتِ مرداں مددِ خدا۔

کھلتے گلوں کی مالی، لازم ہے دیکھ بھال
گر پھول یہ کھلیں گے تو سماں ہی اور ہوگا،

اٹھئے آیئے قدم بڑھایئے اور دامے درمے سخنے ہمارے ساتھ تعاون کیجئے اور خدا پر بھروسہ رکھیے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں میں قطار اندر قطار اب بھی

عفت اللہ بانی تنظیم۔
الجہاد ۳۱۳ پاکستان۔

# الجہاد ۳۱۳

جرأت کا اک نشان ہے تنظیم الجہاد — عزمِ جواں کی جان ہے تنظیم الجہاد
اعدائے دیں کے حق میں بتائیدِ ذوالجلال — شمشیر کی زبان ہے تنظیم الجہاد
منزل ہے جس کی صحنِ شہادت گہِ وفا! — اک ایسا کاروان ہے تنظیم الجہاد
لرزاں ہوں اس سے کیوں نہ منافق و سیاہ دِل — مومن کی ایک شان ہے تنظیم الجہاد
افکارِ قوم و ملک و وطن کی حدود کی، — لاریب پاسبان ہے تنظیم الجہاد
اس دور میں بھی معرکۂ بدر کی طرح، — اسلام ہی کی آن ہے تنظیم الجہاد
عرب و عجم میں لکھی ہے ہم نے بخونِ دِل، — جذبوں کی داستان ہے تنظیم الجہاد
ہر نوجوان اس کا سپاہی ہے آجکل — ہر دل پہ حکمران ہے تنظیم الجہاد
کودے ہیں آگے آگ میں کچھ سر پھرے لوگ — اِک شہرِ بے امان ہے تنظیم الجہاد
اِک رقصِ خاک و خوں ہے کہ رکتا نہیں کبھی۔ — کچھ اور ہی جہان ہے تنظیم الجہاد

ہے وقف زندگی مری اس کے لیے مُعین
میرا تو بس ایمان ہے تنظیم الجہاد

مُعین نظامی مرولہ شریف (سرگودھا)

# جہادِ فی سبیل اللہ

جہادِ فی سبیل اللہ کا ارشادِ ربانی — اگر بھولا ہے تجھ کو پھر کہاں تیری مسلمانی!
جو اب تک نرغۂ کفار میں تجھ کو پکارے ہیں — بڑے چھوٹے جواں بچے ہیں جن کے خوں کی ارزانی
یہودی کر رہے ہیں جو ستم قوم مسلماں پر — کبھی گرمائے خوں تیرا تجھے کہتے ہیں لبنانی
کیا کچھ کم کیا آسام میں ہندو نے مسلم پر — تو کب تک خوابِ غفلت میں رہے گا شیرِ یزدانی
اٹھا غفلت کے پردے عقل سے جھنجوڑ من اپنا — تجھے ہر دم پکاریں ہیں مہاجر سارے افغانی!
ذرا ماضی تو دیکھ اپنا ارے خوابیدہ دلِ مسلم — مسلم تھی جہاں بھر میں کبھی تیغِ مسلمانی
عمرِ فاروقؓ و خالدؓ حیدرِ کرار کے چرچے — کیا کرتے ہیں اب بھی بیٹھ کر ہندو و نصرانی
خدا سے مانگ لے اسلاف کے ورثہ کی یہ چیزیں — علیؓ کی تیغ، خالدؓ کا تدبر، فقرِ سلمانیؓ
بہت امید رکھتا ہوں جوانوں سے جواں ہو کر — اٹھا پھر تیغِ حیدرؓ کر جہاں بھر کی نگہبانی
مثالِ حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کاٹ فتنوں کو — عمرِ فاروقؓ کی مانند ہو تیری جہاں بانی
درو دیوار امریکہ و رشیا کے لرز جائیں — اگر بیدار ہو جائے تیری روحِ مسلمانی
صلاح الدین ایوبیؒ ہے تو سلطان ٹیپوؒ بھی — تجھے محمودؒ و زنگیؒ چاہیئے بننا و ربانی
ہلا سکتا ہے تو ایوان دہلی اور یورپ کے — تو کر سکتا ہے اسرائیل پر اب بھی حکمرانی
جہادِ فی سبیل اللہ کی خاطر تیاری کر — تجھے قرآن سے ملتا ہے یہ ارشادِ ربانی
تو اپنی زندگی کا مقصدِ اولیٰ یہی کر لے — شہادت کے سوا مرنا نہیں تجھکو میرے جانی
یہی مطلوبِ مومن ہے یہی مقصودِ مومن ہے — رہے غازی جہاں میں ہے یہی رمزِ مسلمانی

خدایا شاہبازِ مصطفیٰ کی آرزو سن لے
طفیلِ غوثِ اعظمؒ حضرتِ محبوبِ سبحانی

(شہباز عبداللہ سروری)

# نقاب کشائی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

معزز قارئین و اراکین تنظیم الجہاد، خواتین و حضرات، السّلام علیکم!

آج تنظیم الجہاد کو عمل میں آئے گیارہ برس سے کچھ اوپر ہو چکے ہیں ہم نے اپنی بساط کے مطابق کام کیے بے سروسامانی کے عالم میں کنونشن طلب کیے۔ جلسے کیے یوم منائے اور لٹریچر شائع کیا، عرصہ سے ہماری خواہش تھی کہ خوابیدہ قوم کو بیدار کرنے اور انہیں رموزِ فتح مبین سے آگاہ کرنے کے لیے ایک کتاب مرتّب کی جائے۔ جس میں قوم کے زرخیز نوجوان ذہنوں کے خیالات کو جمع کیا جائے اور انہیں کتاب کی صورت دی جائے چنانچہ اِس خواہش کو چیئرمین تنظیم الجہاد جناب عفت اللہ صاحب نے عملی شکل دی، اور نہایت جانفشانی سے تگ و دو کر کے مضامین اکٹھے کیے جو ایک خوبصورت کتاب میں آپ کے سامنے ہیں۔ جہاد کے موضوع پر یہ مضامین اپنے اندر ایک آفاقی اور ہمہ گیر پیغام رکھتے ہیں اِن میں ہمارے حسّاس اور درد مند نوجوانوں نے کامیابی کا راز اور مسلمانوں کی دوبارہ کرۂ ارض پر

حکومت و فتح کا نسخہ بیان کیا ہے۔ کہیں ہمارے بھائی آپ کو دعوتِ جہاد
دے رہے ہیں۔ اور کہیں ہماری بہنیں اس جذبہ سے سرشار نظر آتی ہیں
اگر جوش و ولولہ کا یہ عالم رہا تو انشاء اللہ اس پر عمل بھی شروع ہو جائیگا
اور اگر عمل شروع ہو گیا تو مسلمانوں کی عزت و عظمت کا سورج پھر طلوع
ہو جائیگا۔ اب مسلمانوں کے وہ دِن ملاحظہ فرمائیں جب میدانِ بدر میں
۳۱۳ مقدس ہستیوں نے کفار کو شکست فاش دی تھی۔ علی المرتضیٰؓ نے
خیبر کا دروازہ اکھیڑ دیا تھا۔ عمر فاروقؓ نے ۸۳ ہزار شہر فتح فرماتے تھے جب
طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا کر صرف چند ہزار مجاہدین سے راڈرک جیسے
ظالم اور بدکردار حکمران کو شکست فاش دی تھی اور مٹھی بھر لشکر سے قرطبہ
غرناطہ، طلیطلہ، مرسیہ، اِی سی جا، صخرہ جیسے شہر و قلعے فتح کر لیے اور چہار
دانگ عالم میں اسلام کا نور پھیلایا۔ یہاں بڑے بڑے مفکر، عالم، طبیب، حکیم
پیدا ہوتے۔ آٹھ سو برس کی مسلمان حکومت کے باوجود آج وہاں
کی مسجدیں تو اسی طرح ہیں لیکن اُن میں اذان دینے والا کوئی باقی نہیں
ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو غداروں نے اور طاؤس و رباب
(جس کو آج ہم اپنائے ہوتے ہیں) نے تباہ و برباد کر دیا۔ شراب و کباب

اور موسیقی و آرام طلبی نے مسلمانوں کی اُس عظیم الشّان اسلامی سلطنت کو کفرستان میں تبدیل کر دیا ہے۔ مغلیہ دور بھی انہی وجوہات کی بنا پر زوال پذیر ہوا۔ جو قوم اپنے سنہری اصُول فراموش کر دیتی ہے مِٹ جاتی ہے۔ آج پھر طاغوتی قوتیں فلسطین، مشرقی پاکستان، قبرص، اریٹریا، افغانستان کو ختم کر کے ہماری اس مملکت خداداد پاکستان کو بھی ہڑپ کرنا چاہتی ہیں۔ فلم، اخباروں کے گندے ایڈیشن، عریانی، ناچ اور گانے وغیرہ ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر ایک بار پھر گزشتہ زوال پذیر ادوار کی طرح اپنا گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ جس کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے خون کے آنسو روئے ہیں۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اِس کاہلی اور سُست الوجودی سے نجات کا واحد حل یہ ہے کہ ہم پھر سے تیغ حیدری و عدلِ فاروقی کو ہاتھ میں لیں۔ اُٹھ اے نوجوان مُسلِم ؎ کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ ہے تُو

خورشید عالم گوہر قلم خطاط، لاہور

# عکس

# اپنی ہستی کی پہچان

خان اللہ ودھایا
جمالی سکھر

بحکم خداوند قدوس جب حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوّا کو جنت سے نکال کر زمین پر لایا گیا۔ تو آہستہ آہستہ انسانوں کی آبادی بڑھنا شروع ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد یہ آبادی خاندانوں میں بٹ گئی۔ جونہی آبادی بڑھی۔ انسانی عقل کا دائرہ کچھ وسیع ہوا۔ تو جب کسی انسان کو کسی قسم کی تکلیف ہوتی۔ تو وہ اس تکلیف کو رفع کرنے کا کوئی حل تلاش کرتا۔ اور جس چیز سے اس کی دارلفان، یہ معمولی تکلیف دور ہو جاتی۔ وہ اسے معبود بنا لیتا۔ رفتہ رفتہ وقت گزرتا گیا اور انسان کی سوچ وسیع ہوتی گئی۔ آخر انسان نے سوچا کہ کوئی ایسی چیز ہے۔ جو کہ سب کی مالک و خالق ہے اور تمام چیزیں اس کے قبضہ میں ہیں۔ جب انسان نے سورج کو نکلتے دیکھا اور اس کی حکمت دیکھی کہ سورج کے نکلنے سے ساری دنیا میں روشنی آجاتی ہے۔ تو انسان سورج کی پوجا کرنے لگا کہ شاید سورج ہی میرا رب ہے لیکن جب رات کے اندھیرے کو سورج کی روشنی پر قابو پاتے دیکھا۔ تو رات کو چاند ستاروں کی پوجا کرنے لگا کہ شاید یہی انسان کا خالق و مالک ہے۔ انسان نے بہت بڑے بڑے جانوروں کی پوجا شروع کر دی۔ لیکن جب ان کو ان کی آن میں تڑپتے اور مرتے دیکھا۔ تو انسانی عقل یہ ماننے سے بھی انکار کر گئی کہ یہی ہمارے معبود ہیں۔ انسانوں نے آگ کی پوجا کی کہ شاید آگ ہی انسان

کا رب ہے۔ مگر جب پانی کو آگ پر قابو پاتے دیکھا۔ تو ان کا (انسان) نظریہ پانی کی طرف مائل ہوا۔ کہ پانی ہی ہمارا معبود ہے۔ لیکن جب بڑے بڑے دریاؤں کو خشک ہوتے دیکھا۔ تو انسان کی عقل اس کو ماننے سے انکار کر گئی لیکن باوجود انکار کے خاندانی روایات انسان کے اندر گھر کر گیئں اور انسان روایات کی بناء پر بے راہ روی کا شکار ہو گیا اور انسان اپنے مالک حقیقی کو بھول کر سورج۔ چاند۔ آگ۔ بُت وغیرہ۔ کو معبود سمجھ بیٹھا۔ رفتہ رفتہ خاندانی روایات کی بناء پہ طاقتور خاندان کمزور خاندان کو ختم کرنے لگا۔ اور روز بروز برائیاں بڑھتی گیئں۔ جوا شراب۔ زنا خوری۔ قتل و غارت وغیرہ۔ انسان کی زندگی کا حصہ بن گیئں۔

مگر خداوند قدوس نے انسانی مخلوق کو اشرف المخلوقات بنایا تھا اور رَبُّ العِزّت کی یہ مرضی نہ تھی۔ کہ انسان بُرا بن جائے۔ اور وہ صحیح راستہ سے بھٹک جائے۔ تو خداوند قدوس نے نبیوں کو بھیجا کہ جا کر یہ میرے احکام ان انسانوں کو سناؤ۔ اور انہیں صحیح راستہ بتاؤ۔ اور میری (خداوند قدوس) پہچان کراؤ۔ یکے بعد دیگرے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے اور تمام انبیاء علیہم السّلام نے خدا کے احکام انسان کو سنائے۔ لیکن قدیم دور کے انسانوں میں خاندانی روایات گھر کر چکی تھیں اور ان انسانوں نے اللہ کے نبیوں کو (نعوذ باللہ) جھوٹا کہا جس کی وجہ سے چند نبیوں نے اپنی قوموں کے حق میں بد دعا بھی کی ہے اور ان قوموں پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوا اور وہ

قومیں غرق ہو گئیں ۔ آخر میں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ اس وقت انسان حد سے زیادہ برائیوں میں ملوث تھا ۔ بت پرستی عام تھی اور ہر فرد کا خدا الگ الگ بنا ہوا تھا ۔ جب آپ نے ایک خدا سے ڈرنے کی تلقین کی ۔ اور بُت پرستی سے منع فرمایا تو لوگ آپ کے جانی دشمن بن گئے ۔ کیونکہ ان میں خاندانی روایات کا رنگ گہرا چڑھ چکا تھا ۔ حالانکہ وہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق دامین سمجھتے تھے ۔ لیکن روایات کے ہاتھوں بے بس و مجبور تھے ۔ جوں جوں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی تبلیغ شروع کی ۔ مشرک لوگ بھڑک اٹھے ۔ اور نعوذ باللہ آپ کو ختم کر دینے کی تیاریاں کرنے لگے ۔ جب خدائے بزرگوار نے یہ دیکھا کہ یہ کافر لوگ اس طرح نہیں مانتے ۔ تو خداوند قدوس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ میرے پیارے حبیب ان کافروں کے خلاف جہاد کرو ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی کافروں سے جہاد کیا ۔ کئی معرکے مارے اور دنیا میں اسلام پھیلا ۔ اور انسان راہِ حقیقی پر پہنچا اور مشرق سے لے کر مغرب تک اللہ اکبر کا نعرہ گونجا ۔

جب تک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رہے تو اسلام تیزی سے پھیلتا گیا ۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کا دور آیا ۔ اس دور میں بھی اسلام نے ترقی کی اور پھر تابعین اور اس کے بعد بزرگانِ دین کا دور رہا ۔ تو پھر بھی اسلام ثابت قدم رہا ۔ اور ہمیشہ اسلام تیزی سے

پھیلتا رہا۔ کافروں سے بزرگانِ دین نے جہاد بھی کیا اور فتح یاب ہوتے رہے لیکن ادھر کافر اپنی ناکامی میں نادم رہے اور اسلام کو پھیلتا دیکھ کر اس گھاٹ میں رہے کہ کب وقت ملتا ہے۔ جبکہ مسلمان قوم کو اپنے صحیح راستہ سے بھٹکادیا نہ وہ زمانہ رہا۔ نہ وہ بزرگان دین جو کہ حق کی خاطر جامِ شہادت پیتے تھے۔ جب کافروں نے مسلمان قوم کو جدید دور میں مذہبی معاملہ میں کمزور دیکھا۔ تو اسے صحیح راستہ سے بھٹکانے کی خاطر ان برائیوں کو اسلام میں داخل کیا جو کہ اسلام میں قطعی طور پر ممنوع تھیں۔ مسلمان قوم نے اپنے خسارے کو نہ سوچا اور کافر کی برائی کو بھلائی سمجھ بیٹھا رفتہ رفتہ وہ برائیاں ہر مسلمان کی زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔ قدیم دور کی طرح، جوا۔ شراب۔ زنا خوری۔ سود خوری۔ چوری وغیرہ ہے۔ بے حیائی حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ کافر تو کافر ہے۔ لیکن احکامِ خداوندی کا مسلمان قوم کو بھی مکمل علم نہیں کہ مسلمان قوم کیا ہے۔ اس کا صحیح راستہ کیا ہے۔ مسلمان قوم صحیح واصل حقیقت سے بہت دور نکل گئی ہے۔ مسلمان قوم کی دینی کمزوری سے کافروں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ جس کی مثالیں عام ہیں۔ خدا ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

از الحاج علامہ مولانا حکیم عبدالرحمٰن سیال خان صاحب گولڑوی۔ مہر آباد جھنگ شہر ریلوے اسٹیشن

# قصیدۂ جہادیہ

جہاد سے ہے آبروئے مسلمیں
جہاد سے ایمانِ کامل مؤمنین

پاسباں ہر دم ترا ہے یہ جہاد
ہے نگہباں دین تیرے کا جہاد

پاسباں ایمان کا ہے یہ جہاد
پاسباں قرآں کا ہے یہ جہاد

گفت پیغمبر کہ شد عالی نژاد
تا قیامت باشد اُمّتِ در جہاد

ریڑھ کی ہڈی مسلماں کی جہاد
ہے اسی کی برکتوں سے بامُراد

غازی مرتا ہے تو عند اللہ شہید
غازی جیتا ہے تو عند اللہ مجید

تابندہ ہے اسلام غازی سے یہاں
زندہ ہے غازی سے ایمانِ اس جہاں

بے سوال و بے جواب اندر قبر
مطمئنہ نفسِ غازی در حشر

نہ کہو مُردہ شہیدوں کو بھلا
وہ تو زندہ ہیں یہاں نزدِ خدا

کافر ہے جو مُردہ شہیدوں کو کہے
خاسر ہے جسکو کچھ اس میں کچھ شک رہے

گفت پیغمبر بآوازِ بلند
خونِ غازی ہست اللہ را پسند

غازیاں در صدرِ جنّت شاداند
غازیاں از شجرِ جنّت می خورند

کُن سدا اعلانِ جاہد را بلند
بر توکّل زانوئے طیّارہ بند

گفت مہری ایں غلامِ مہرِ شاہ
دستِ من در دستِ آں شیرِ خدا

عبدالرحمٰن نامِ من از پیرِ من
مہری شد از لطفِ دستگیرِ من

ہمانکہ آں مردِ مجاہد خوب بود
با نفس و شیطاں او مجاہدہ بر فزود

جہادِ جسمانی و نفسانی کنند
جامہ انوارِ ایمانی تنند

جُہد کُن ہم جہد کُن اندر دعا
پس توکّل بعد ازاں کُن بر خدا

محمد غفور، عبد الغفار حاجی احمد بادانی ۔ کراچی

# دورِ جدید میں جہاد کی ضرورت اور اہمیّت

اس مضمون کا موضوع دراصل ایسا موضوع ہے جو مسلسل جاری رہتا ہے اور اسے جاری بھی رہنا چاہیئے کیونکہ "اس جدید دور میں بھی ہمیں جہاد کی ضرورت ہے" اب میرے اس جملے سے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ہمارے کسی کے ساتھ خدانخواستہ کوئی لڑائی جھگڑا تو نہیں لیکن پھر اس جہاد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو اب میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔

کیونکہ ہمیں ہر طرف سے فحاشیوں اور بدکاریوں نے گھیرا ہوا ہے یہ دور پُر فتن دور ہے، یہ دور بڑا نازک دور ہے۔ اسی نازک دور میں ہمیں ہر طرح سے جہاد کرنا فرض ہے بھٹکتے ہوئے لوگوں کو راہ ہدایت اور راہِ مستقیم

بتانا یہ بھی جہاد ہے۔ اپنے آپ کو شیطان کے کہنے سے دور رکھنا
یہ بھی جہاد ہے کیونکہ یہ شیطان ہمیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکاتا
رہتا ہے۔ اس لیے ہمیں اس کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ ہمیں اس کی
سخت پابندی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس دورِ جدید میں نماز کی طرف بالکل
توجہ نہیں ہے اور لوگ اپنے آپ کو اسلام سے دور لے گئے ہیں جس
کی وجہ سے نہ کسی کو نماز کی فرصت کا خیال ہے نہ روزے کی پابندی
کا پاس ہے نہ حج کی عظمت کا پتہ چلتا ہے نہ زکوٰۃ کی برکت کا علم ہے
اس دورِ جدید میں جو کہ پُر فتن دور کہلاتا ہے۔ جو فرسودہ رسم و
رواج کا ہم پلہ ہے۔ جو فحاشت اور بربریت کا نشان بن چکا ہے۔

اس دور میں یہی جہاد فی سبیل اللہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور
اپنے دوست احباب کو نماز پر قائم رہنے کی تاکید کریں کیونکہ یوم جزا میں
سب سے پہلے ہم سے خالقِ کائنات نماز کی پوچھ گچھ کریں گے۔

اگر آج ہم نماز کی پابندی کریں تو کوئی بھی برائی ہمارے اندر باقی
نہیں رہ سکتی تمام برائیوں کی بنیاد ختم ہو جائے گی۔ جیسے رب ذوالجلال کا
فرمان ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ

کہ بے شک نماز روکتی ہے فحاشی اور بُری بات سے

جب کہ ہم بالکل نماز سے دور کا رشتہ بھی نہیں رکھتے نہ ہی
نماز کی طرف توجہ دیتے ہیں تو ہم ان عریانیوں اور فحاشیوں سے کیسے

بچ سکتے ہیں۔

ویسے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔ حضورؐ کے دور کا ایک واقعہ ہے کہ جب اس زمانے میں جہاد کا اعلان ہوا تو ایک آدمی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ کہ میرے آقاؐ میں بھی اس جہاد میں شرکت کرنے کا متمنی ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ بتاؤ کہ تمہارے گھر میں کون کون ہے تو اس شخص نے کہا کہ میرے آقا میں بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے شخص جا تو اپنی ماں کی خدمت کر اس کا ثواب تو جہاد سے بھی اونچا ہے"۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ماں باپ کی خدمت بھی جہاد سے بڑھکر ہے۔

جہاد صرف میدان جنگ میں کٹ مرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جہاد اپنے نفس پر قابو پانے کا نام ہے۔

جہاد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلانے کا نام ہے لوگوں کو دین کے احکامات بتانے اور سکھانے کا نام ہے۔

جہاد حق و صداقت کا نام ہے اور باطل کے خلاف صداقت کی آواز کا نام ہے۔ جہاد لوگوں کے اسلام کا صحیح حق ادا کرنے کا نام ہے۔ کیونکہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ دو آنکھیں ہیں جو جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گی۔

ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اشکبار ہو دوسری وہ آنکھ جو رات بھر اللہ کی راہ میں پہرہ دیتی ہوں۔ پہرا دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایمان کے ڈاکوؤں سے بچائے اپنے ایمان کی حفاظت کرے اپنے ہمسائیوں کی عزت وعظمت کی حفاظت کرے اور دوست احباب کو سیدھے راستے پر چلانے کی کوشش کرے ہر وقت، اپنے اوپر ایمان واسلام کی تلوار اٹھائے رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر مضبوطی سے گامزن رہے اللہ تعالیٰ تمام کو اپنے ایمان کی حفاظت کرنے کی اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور ہم سب کو ان فرسودہ رسم ورواج کے خلاف جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو کہ ہمارے معاشرے میں فحاشت اور ننگ پن کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

آمین ثم آمین

# لب کشائی

غلام رسول مبشر شاہدرہ ٹاؤن۔ لاہور۔

ایک ایسے زمانے میں جب کہ تہذیب مغرب کی لپیٹ میں آکر پوری دنیا عیش و عشرت میں مبتلا ہو چکی ہے۔ دور جدید میں جہاد" اس موضوع پر لب کشائی کرنا یقیناً اپنے وقت کا زبردست تقاضا ہے آپ جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام جو اس دنیا میں رشد و ہدایت کا حقیقی سرچشمہ ہیں، کی روشن تعلیمات اس امر پر متفق ہیں کہ ہر انسان کو دنیوی زندگی کے بعد خدا کے سامنے اپنی دنیاوی زندگی کے ہر کردار و عمل کے متعلق جواب دہ ہونا پڑے گا اور پھر اس احتساب کے نتیجہ میں یا تو اسے اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی حاصل ہو گی یا اس کی ناراضگی اور غصہ نصیب ہو گا۔ اور حقیقت میں یہی وہ عقیدہ ہے جس کی ہمارے طرز عمل اور پوری زندگی کی خدمات و سکنات پر گرفت ہے اور بغرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انسان کو اس دنیا میں کسی اخلاقی یا روحانی ضابطہ کی پابندی سے آزاد ہو کر اپنی زندگی زیادہ سے زیادہ عیش و عشرت میں محض اس خیال سے گزارنی چاہیئے کہ اس عالم رنگ و بو کی فنا کے بعد اسے عیش و عشرت کا موقعہ تو نہیں آئے گا۔ منطقی نتیجہ کے طور پہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ آخرت کی نعمتوں اور راحتوں میں ایسے لوگوں کے لیے کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ اس کی بین دلیل یہ ہے کہ ایسے اخروی زندگی میں اللہ تعالی کی رضا حاصل ہو سکتی تھی اور وہ ذمہ داریاں یقیناً ایسی نہ تھیں

جن کی بدولت انہیں ساتھ لے کہ انسان عیش و عشرت کے عہدہ برآ ہو سکتا۔ اس راہ میں تو صرف کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ جن کا مقابلہ انسان کر رہا ہے۔ انہوں نے جوہر انسانیت کو لٹا دیا ہے یا انہیں یوں کہنا چاہیئے کہ انہوں نے سرے سے مقصد حیات و زیست ہی کو لٹا دیا ہے۔ تاریخ ایسے ناموں کو اپنی زبان پر لانے سے بیزار ہے۔

اگر اس حقیقت کو مزید سمجھنا ہو تو جاؤ غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات سے پوچھو۔ سمجھو مصر و بابل کے مرغزاروں سے اور جا کر پوچھو لال قلعہ کے محلات شاہی سے یا پھر پوچھو محمد شاہ رنگیلا کی بساطِ شطرنج سے کہ اس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اگر اس کو مزید اور سمجھنا ہو تو سمجھو ریگ زارِ کربلا کے تپتے ہوئے ذرّوں سے اور سمجھو فاتح اندلس طارقؒ بن زیاد کی شمشیر آبدار سے، سمجھئے اسے سلطان صلاح الدینؒ ایوبی کے جذبہ جوش جہاد سے اور سمجھو محمودؒ غزنوی کے گرزِ بت شکن سے۔ اسے سمجھو محمدؒ بن قاسم کے دبدبہ و جلال سے اور سمجھو اس حقیقت کو شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ساتھیوں کی برق پاش تلواروں کی جھنکار سے۔

آج بھی اگر ہم دنیا میں معزز و سربلند ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں زندگی کی اخلاقی اقدار کو مشعلِ راہ بنانا ہو گا اور اپنے آپ کو اس روحانی ضابطۂ اخلاق کا پابند بنانا ہو گا۔

آج ہمیں پھر ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر وہی جذبۂ عزم و ہمت

اور وہی شان ایثار و استقلال پیدا کریں جس نے ہمارے بزرگوں کو سربلند کیا تھا۔

آج ہمیں پھر ضرورت ہے کہ اپنی زندگیوں کے عیش و آرام سے جہاد کریں اور اپنے عشرت کدوں سے جہاد کر کے اپنی زندگی کی تلخ حقیقتوں سے روشناس ہوں ہمیں موسیقی کے کیف انگیز نغمات سے جہاد کر کے نعرۂ تکبیر کی فلک شگاف آواز سے تھوڑی دیر کے لیے اگر آپ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اس لامتناہی بیکراں کائنات کی وسعت کو دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ شمس و قمر، شجر و حجر، برق و باراں، کوہ و دریا، بحر و بر، باد و آتش اور نباتات و جمادات غرضیکہ اس کی ہر چیز خواہ محسوس ہو یا غیر محسوس مرئی ہو یا غیر مرئی۔ ایک لگے بندھے ضابطہ کے تحت سرگرم عمل ہے اور اسے ان ضابطوں کو پابندی سے سرمو انحراف کرنے کی جرات نہیں ہوتی جو خالق کائنات نے اس کے لیے مقرر کیئے ہیں۔

جب کائنات کی ہر چیز اپنے فرائض کی انجام دہی میں یوں باقاعدگی کے ساتھ سرگرداں ہے تو حضرت انسان جو اس کائنات میں اشرف المخلوقات ہونے کا مدعی ہے۔ اس بات کا کس طرح حقدار ہو سکتا ہے کہ وہ عیش و عشرت میں مبتلا رہ کر زندگی بسر کر دے۔ ایسا کرنے والے کو یقیناً سینۂ گیتی پر بار گراں بن کر رہنے کا حق حاصل نہیں ہے اور نہ ہی ایسے محنتی اور فرض شناس انسانوں کو حق تلفی کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

تاریخِ عالم کا ایک ایک صدق زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ جن لوگوں نے لغماتِ بے خودی کی تانوں پر رقص کیا۔ وہ بحر حیات کی متلاطم موجوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ جن لوگوں نے زندگی کو اخلاقی اقدار کو پامال کر کے اپنی جبینِ خودی کو ظاہری حسن و جمال کے آستانوں پر جھکایا، وہ دولتِ عزت و عظمت سے محروم رہے اور جن لوگوں نے گل و بلبل کی داستانوں میں، گلستان کی عطر بیز فضاؤں میں اور آبشاروں کی ترنم خیز صداؤں میں ہاں، اہاں، بھٹریلوں کے ہوش رُبا نغموں میں اور لذاتِ فانی کی گوناگوں ہوس میں زندگی گزار دی۔ انہوں نے گویا اپنی متاعِ زندگی کو بلکہ اپنے حاصلِ زندگی کو لٹا دیا۔ نہیں نہیں انہوں نے شگاف صداؤں کو جنتِ گوش بنایا! اور رقص گاہوں کے موت آفرین ماحول سے جہاد کر کے میدانِ کارزار کی حیات افروز فضاؤں میں بقائے دوام کا سامان تلاش کریں۔

# جہاد کے فائدے

سید منظر طوفانی۔ لاہور۔

پہلے ہمیں صرف جہاد کے بارے میں معلوم ہونا چاہیئے۔ پھر اس کی ضرورت، تو جہاد اسلام کا اعظم رکن ہے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خوشنودی خدا کے لیے ایک دفعہ کفار سے جنگ کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور سرحد ملک اسلام کی ایک شب کی حفاظت دو مہینوں کے روزوں سے افضل ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ تمام خوبیاں تلوار اور اس کے سایہ میں ہیں۔ تلوار بہشت اور دوزخ کی کنجی ہے اور تلوار ہی سے آدمی سیدھے رہتے ہیں فرمایا کہ جو شخص جہاد میں مارا جاتا ہے وہ شہید کہلاتا ہے اور خدا کے نزدیک اس کا بہت بڑا رتبہ ہے۔ پھر رسولؐ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جہاد نہ کرے اور وہ بغیر دعوت اسلام کافر کو اگر قتل کرے تو وہ بہت بڑا گناہ گار ہوگا اور جہاد صرف ان لوگوں سے کرنا جائز ہے جو خدا کے سوا اور چیزوں آفتاب، مہتاب اور بتوں وغیرہ کو پوجتے ہوں۔ اور دہریوں اور ملحدوں سے بھی جہاد کرنا واجب ہے تاوقتیکہ وہ اسلام کو نہ قبول کریں۔ جہاد میں یہ امور سنت ہیں۔

۱۔ بشرط ممکن بعد زوال لڑنا (۲) لشکر کو آہستہ لے جانا (۳) پانی اور چارہ کے مقام پر قیام کرنا (۴) تھکی ہوئی سواری کا اسباب دوسری سواری پہ بار کرنا (۵) بغرض فتح مخالف کے مکان اور قلعہ کا منہدم کرنا پانی اور

سوداگروں کی راہ بند کرنا۔ ہر دور میں مسلمانوں کو جہاد کی ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے اور مسلمان پوری طرح سے جہاد میں حصہ لیتے رہےگئیں
آج کا دور سائنسی ترقی کی طرف راغب ہو چکا ہے اور اس دور میں بہت کم ایسے لوگ ملتے ہیں جو کہ اس چیز سے انحراف کرتے ہیں۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں صرف وہی لوگ جہاد کر سکتے ہیں جو گورنمنٹ کے ملازم ہیں اور جن لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے ملک کے لیے اپنی جاں پیش کریں۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے ہیں۔ اول تو انہیں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ گورنمنٹ کے ملازم نہیں یعنی کہ وہ فوجی نہیں۔ گورنمنٹ کے ملازم سے مراد ہیں۔ وہ لوگ جو بحری، بحر بر اور فضائیہ میں ملازم ہوں کیونکہ صرف انہیں کو جنگ میں لڑنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مگر ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص ایسے ہیں جنہیں یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے ملک کے لیے کچھ کریں مگر وہ مجبور ہیں اس دور میں ہر مسلم ملک کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو جہاد کرنے کی اجازت دے دیں۔ جہاد سے کئی فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ سبب لوگوں میں اتفاق ہو جائے گا۔ تمام لوگ مل جل کر بیٹھیں گے اور آپس میں متحد ہو جائیں گے پھر کوئی بڑے سے بڑا طاقتور ملک بھی انہیں نہیں دبا سکے گا۔

جہاد کرنے کے واسطے ہر شخص کے پاس ایک تلوار کا ہونا لازمی ہے کیونکہ جہاد صرف تلوار سے ہوتا ہے توپ کے گولوں، بندوق کی گولیاں

اور جہازوں کی لڑائی جہاد نہیں کہلاتی بالکل یہ تو ایک فرض ہوتا ہے۔ ان کے ملک کی حفاظت کا جو وہ پورا کرتے ہیں۔

دورِ جدید میں جہاد کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر شخص اچھی طرح سے محفوظ ہو جائے گا اور اسے کسی دوسرے شخص سے جو کہ ان کا دشمن ہے ڈر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ شخص جہاد کی وجہ سے ہر طرح کا خوف اس کے اوپر سے اٹھ گیا ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی خوف و خطر اپنے دشمن کا مقابلہ بآسانی سمجھ سکتا ہے اور وہ اس کے حملے کو بہت آسانی سے ناکام بنا سکتا ہے۔

اس سائنسی دور میں جہاں لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہیں انہیں چاہیئے اپنی ترقی کے ساتھ ساتھ انہیں اسلام کی ترقی کے بارے میں خیال رکھنا چاہیئے تاکہ وہ لوگ جو اسلام کے مخالف ہیں یہ سمجھ سکیں اور وہ یہ مان سکیں کہ مسلمان سب سے بہترین قوم ہے جو اپنے ملک و قوم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنی بھی حفاظت کرتی ہے۔

دورِ جدید میں ہمیں جہاد کے اتنے فائدے ہیں کہ انہیں گننا ایک طفل مکتب کے لیے بھی کافی آسان ہے۔ جتنا ایک ادیب و مفکر کے لیے جتنی بھی ضرورتیں جہاد کی اس دور میں ہیں اتنی ہی ضرورت پیش آتی ہیں۔ بہرحال ہمیں جہاد کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔

# کلمۂ حق

کرنل عاصفی رحمان پورہ اچھرہ لاہور

شریعت کی اصطلاح میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دشمنوں سے جنگ کرنے کا نام "جہاد" ہے۔ اگر اعلائے کلمۃ اللہ اور حق مقصود نہ ہو بلکہ کسی خطہ زمین، ملک اور علاقے کا حصول مقصود ہو یا وطن اور قوم کے حمایت کے پیش نظر ہو اور قومی و وطنی عصبیت کی بنا پر جنگ کی جائے یا اپنے غلبے اور قوت و شوکت کا مظاہرہ مقصود ہو کہ کمزور قوتیں مرعوب ہو جائیں تو یہ اسلام کی نظر میں "جہاد" نہیں ہے۔ جہاد بھی تین طریق سے کیا جا سکتا ہے۔ اوّل جہاد بالسیف، دوم جہاد باللسان اور سوئم جہاد بالقلم یعنی تصانیف سے کفار کے رد میں کتابیں اور مضامین لکھنا۔

آج سے چودہ سو برس پہلے جب عالم انسانیت پر کفر کی سیاہ راتوں کا غلبہ تھا۔ نا اتفاقی و عداوت کے کالے بادل سایہ کئے ہوئے تھے۔ کفر و ضلالت، ظلم و جور اور فسق و فجور کی کالی کالی گھٹائیں ہر سو شدت سے چل رہی تھیں۔ نئے نئے خود ساختہ اصول انسانوں نے اپنے سفلی خواہشات کی تسکین کے لیے وضع کر لیے تھے۔ نیکی و بدی کا تفاوت مٹ چکا تھا۔ وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ ان برائیوں میں بھی پختگی آ چکی تھی۔ انسانیت کو امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی۔ انسانیت سسک رہی تھی اور ظلم و تعدی انسان کی بے بسی

پر ہنس رہے تھے۔ ظلمتوں نے صبح درخشاں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اور روشنی کی کوئی کرن نہ تھی۔

ایسے میں عرب کی بے آب دگیاہ سرزمین سے ایک شخص اٹھا جس نے انسانوں کی ان برائیوں کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا اور پھر صدیوں کی تاریکی پر روشنی کا عکس نمایاں ہونے لگا۔ کراہتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کے نجات کا راستہ پیدا ہو گیا کفروشرک کے پردے چاک ہونے لگے۔ بت پرستی نے خدا پرستی کی جگہ لے لی۔ بے دینی کی ہوا کا رخ بدلا اور خزاں رسیدہ باغوں میں بہار آگئی۔ انسانیت کا ستارہ چمکنے لگا اور اس نے انہیں کج روی سے بچا کر صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا۔

آج تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرا رہی ہے۔ چودھویں صدی کا انسان آج سے چودہ سو سال پہلے کے انسان سے مختلف نہیں۔ آج بھی انسانیت کی اعلیٰ قدروں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ کفر ایک مرتبہ پھر زور پکڑ رہا ہے۔ انسانیت بالکل اسی طرح سسک رہی ہے جیسے چودہ سو برس پہلے۔ لوگ گناہ۔ نافرمانی اور خدا کے احکام سے بغاوت میں فخر محسوس کرتے ہیں اور جو مسلمان شریعت سے بہرہ ور اور گناہوں سے کنارہ کش رہے۔ انہیں بے وقوف سمجھ کر مذاق اڑایا جا رہا ہے آج اس دور میں ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ خواہشات نفسانی کی تکمیل اپنے عروج پر ہے۔ زندگی صرف عیاشی بن کر رہ گئی ہے ناچ

گانا ان کی زندگی کا جزو لازم ہے۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی ہمیشہ یہ دلی خواہش رہی کہ کسی نہ کسی طرح تمام عالم اسلام کا خاتمہ کر دیں۔ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہو رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کی تعلیمات کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس مشن پر لاکھوں روپیہ روزانہ خرچ کیا جا رہا ہے اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے لباس، زبان، ثقافت، تہذیب رہن سہن اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا بالکل اپنے مذہب کے تابع بنا دیا ہے۔ اس بات سے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یورپ میں جو سائنسی اور صنعتی ترقی ہوئی ہے اسے اپنانا اسلام کی روح کو مجروح کرنا ہے۔ اسلام کسی قسم کی صنعتی اور سائنسی ترقی کے لیے ہرگز مانع نہیں ہے۔ بلکہ ہر اس صنعت و حرفت کو اپنانا ضروری ہے جس سے مسلمانوں کو ترقی حاصل ہو۔

آج پوری انسانیت پر اضطراب کا سا عالم ہے۔ کہیں رنگ و نسل اور کہیں لسانی جھگڑے سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ کہیں طبقاتی تقسیم یا جغرافیائی حدود کے جھگڑے رونما ہیں۔ کہیں مسئلۂ قومیت قیامت خیز صورت اختیار کر گیا ہے اور کہیں اقتصادی ناہمواری اور استحصال کا رونا رویا جا رہا ہے۔ انسانیت سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے مگر اس کی داد رسی کے لیے کوئی نہیں۔ انسانیت چیخ چیخ کر ایک مجاہد، ہادی اور معلم کو پکار رہی ہے۔ جو ان نازک حالات میں ان برائیوں کے خلاف جہاد کرے۔ مگر کوئی مجاہد دکھائی نہیں پڑتا۔ آپ لاکھ اصلاح معاشرہ، کے نام سے

جہاد کریں مگر جب تک عصر جدید کا انسان خود ان برائیوں سے برسرِ پیکار نہ ہوگا اس وقت تک دورِ جدید کی ان برائیوں کا قلع قمع مشکل ہے۔ اس لیے صرف عالموں یا اساتذہ کا ہی یہ فرض نہیں کہ وہ ان برائیوں کے خلاف جہاد کریں بلکہ عصر حاضر کے ہر فرد کے لیے یکساں لازم ہے کہ وہ ان برائیوں کے قلع قمع کے لیے کوشاں رہے۔

جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ جہاد تین طریق سے کیا جاسکتا ہے اول، بالقلم دوم باللسان اور سوئم بالسیف لہٰذا اہل قلم حضرات کو چاہیئے کہ وہ معاشرے سے اخلاقی انحطاط کے دور کرنے کے لیے کتابیں لکھیں اور عوام کو یہ بتائیں کہ وہ تباہی کے کنارے پر کھڑے ہیں اور اس میں کسی وقت بھی گر سکتے ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ انسانیت کے سب سے بڑے قائد، ہادی اور معلم نبی اکرم کے ضابطۂ حیات پر عمل کریں۔ جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم، کوئی ملت، کوئی ازم اور کوئی تاریخ پیش نہ کر سکی۔ علماء اور اساتذہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے قول وفعل سے اخلاقی تعمیر کا جذبہ پیدا کریں اور یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کی تعمیر میں جس قدر علماء اور اساتذہ کا دخل ہوتا ہے اسی قدر کسی اور طبقہ کا نہیں ہوتا۔

دورِ جدید میں جہاد کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ جتنی کہ چودہ سو برس پہلے۔ لہٰذا آج وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ہادی برحق کی سیرت کاملہ کو نمونہ بنا کر دورِ جدید کی برائیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں۔ کیونکہ وقت کا تقاضا یہی ہے۔

# بے راہروی کا سدّباب

منظر رحمٰن پورہ۔ لاہور

جہاد کی اصل تعریف یہ ہے کہ جب کوئی دین کی مخالفت کرے تو اس سے لڑنے کو جہاد کہتے ہیں۔ اس دور میں ہر طرف ہی دین کی مخالفت کی جا رہی ہے یہ دور بعثت رسول سے پہلے والا دور نظر آتا ہے۔ بعثت نبوی سے پہلے دنیا کی تاریخ جہالت اور بربریت کا مرقع تھی۔ روم و ایران میں متمدن حکومتیں کھوکھلی ہو چکی تھیں معیشت تباہ ہو چکی تھی اخلاق میں گراوٹ آ چکی تھی۔ حیوانیت اور صیہونیت کے مظاہرے برسرِ عام تھے۔ گوناگوں مظالم کے شکنجے میں غریب عوام پس رہے تھے۔ اور اس نیلے آسمان کے نیچے کوئی ان کا فریاد رس نہیں تھا۔ ہندوستان اور چین سب جگہ یہی کچھ ہو رہا تھا۔ عرب میں بھی فتنہ و فساد عام تھا۔ چونکہ وہاں متمدن حکومت کا فقدان تھا۔ اس لیے مزاج کا راج تھا۔ انسانی جان کا احترام باقی نہیں رہا تھا۔ خون ارزاں تھا۔ غرض دنیا میں چہار طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لوگ خدائی مال کو اپنی ملکیت سمجھنے لگے تھے۔ شراب و جوا عام تھا۔ سچائی کسی طرف بھی نظر نہیں آتی تھی۔ ہر طرف جھوٹ ہی جھوٹ تھا۔ لوگ جھوٹ بولنے کو ایک بہت بڑا ہنر سمجھتے تھے۔

ناچنے اور گانے والی عورتوں کا عام رواج تھا۔ لوگ پتھروں سورج اور چاند کی پوجا کرتے تھے اور ان ہی سے سب کچھ مانگتے تھے۔ ڈھولک، سارنگی، طبلہ عام بجایا جاتا تھا اور غیر لڑکیوں کو اس پہ لازمی ڈانس

کرایا جاتا تھا۔

خانۂ کعبہ کے اندر بتوں کو رکھا ہوا تھا اور لوگ بتوں کی پوجا کرنے خانۂ کعبہ کے اندر آتے تھے۔ مگر باہر جاتے ہوئے پھر وہی حرکات کرتے لوگ کعبہ سے نکلنے کے بعد بدکاری اور زناکاری میں مبتلا ہو جاتے جن سے وہ بتوں سے معافی مانگ کر آتے۔ ہر طرف چوری عام تھی۔ بیٹا باپ کے گھر چوری کرتا تھا۔ اکثر اوقات باپ اپنی بیٹی کی کمائی کھانے پر رضامند بھی ہو جاتا۔

ان حالات کو دیکھ کر شائد اس بات کی پیش گوئی کی جا سکتی تھی کہ اس تیرہ و تار اندھیرے سے ضرور کوئی آفتاب ہدایت ابھرے گا۔ ضرور رب رحیم کی رحمت جوش میں آئے گی اور مقہور و مظلوم انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہو گا۔ ضرور کوئی پیغام بر آئے گا۔ جو انسانی زندگی کی گاڑی کو صحیح رخ پر ڈال دے گا۔ ضرور کوئی مجاہد اس سرزمین پر قدم رکھے گا۔ جو ان برائیوں کے خلاف جہاد کرے گا۔ البتہ اس امر کا اندازہ کسی طور پر ممکن نہ تھا کہ رحمت عالم کا نزول عرب کی بنجر زمین پر ہو گا۔ لیکن مشیت ایزدی نے اس بے آب و گیاہ ریگستان میں گھومنے والے بدوؤں کو اس شرف و سعادت کا حقدار سمجھا اور درِ محمود بنی بر حق، وہ ہادی عالمؐ اور مجاہد اعظمؐ جزیرۃ العرب میں مبعوث ہوا۔ عرب کے منتخب کیے جانے میں چند در چند حکمتیں پنہاں تھیں۔ اور اس مجاہد نے اپنی چھوٹی عمر کی حد کو پار کیا اور جوانی کی آغوش میں

آیا۔ جوانی کی عمر گزار کر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک دفعہ عرب سے اٹھا اور برائیوں کے خلاف جہاد کیا اور ہر طرف برائیاں دور ہو گئیں مجاہد نے ایسا جہاد کیا کہ ہر طرف سکون ہی سکون نظر آنے لگا۔ اور اس جہاد نے ہر طرف سے تاریکیوں کو روشنی میں تبدیل کر دیا۔ لوگوں کو ظلمت سے نکال کر اجالے میں لا کھڑا کیا۔ جہاد کی اس وقت جتنی ضرورت تھی اتنی ہی ضرورت دور جدید میں بھی ہے بلکہ دورِ جدید آج سے چودہ سو برس پہلے کا سماں پیش کرتا ہے۔ پھر باتیں ملتی جلتی نظر آتی ہیں۔

اس دور میں زناکاری اور بدکاری عام ہو گئی ہے۔ لوگ خدائی مال میں اپنی ملکیت سمجھنے لگے ہیں اور زکوٰۃ کو ڈانڈ کی طرح بھاری سمجھتے ہیں اور امانت کو اپنا مال سمجھ کر اس میں خیانت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مرد بیوی کی تابعداری اور ماں کی نافرمانی کرتا ہے۔ باپ کو غیر اور دوست کو اپنا سمجھتا ہے۔ حد تو یہاں تک ہو گئی ہے کہ لوگ جو دین کا علم پڑھتے ہیں۔ اسے دنیا کے پیسے کمانے کے لیے پڑھتے ہیں۔ آج کل تو حکومتیں ایسوں کے ہاتھ میں ہیں جو بدذات، لالچی، بدخلق اور جو جس کام کے لائق وہ نہیں ان کے سپرد ہیں۔ لوگ ظالموں کی تعظیم اور خاطر اس خوف سے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو تکلیف نہ پہنچائے اور بعض لوگ تو ان کی قدم بوسی بھی کرتے ہیں۔ شراب کھلم کھلا پی جاتی ہے اور اگر کوئی سختی کرے تو لوگ شراب کو چھپ کر پیتے ہیں۔ ناچنے اور گانے والی عورتوں کا عام رواج ہو گیا ہے۔ مرد اپنی بیوی کی کمائی

کھانے کے لیے لوگوں کو اپنی بیوی کی عزت سے کھلواتا ہے۔ لوگ۔
جھوٹ بولنے کو ایک بہت بڑا ہنر سمجھتے ہیں۔ اور جو شخص اس دنیا میں
سچ بولے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اسے بے وقوف سمجھتے ہیں۔
مسجدوں کے سامنے سینما ہاؤس تعمیر ہو رہے ہیں۔ سینما ہاؤس فل ہوتا
ہے اور مسجدیں خالی نظر آتی ہیں۔ لوگ حلال مال کی بجائے حرام مال
کو پسند کرتے ہیں۔ بھائی ایک دوسرے سے جنگ کریں گے۔ آپس
میں کشت و خون ہو گا۔ ہر طرح کی حکومتیں شرافت سے کھوکھلی ہو چکی ہیں
جہالت اور بربریت عام ہو چکی ہے۔ معیشت تباہ ہو چکی ہے۔ اخلاق میں
گراوٹ آچکی ہے۔ حیوانیت اور شہوانیت کے مظاہرے بر سر عام نظر
آتے ہیں۔ غریب عوام ظلم کے پنجے کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ ظالم غریب عوام
کو نیچے پیس رہے ہیں اور اس نیلے آسماں کے نیچے کوئی ان کا فریاد
رس نہیں ہے۔ ہر جگہ فتنہ و فساد عام ہو چکا ہے اور متمدن حکومت کا
فقدان ہے۔ اور ہر طرف ھرج کا راج ہے۔ انسانی جان کا احترام باقی
نہیں رہا ہے۔ خون ارزاں ہے۔ غرض دنیا میں چاروں طرف تاریکی ہی
تاریکی ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ضرور کوئی بہادر مجاہد پیدا ہو گا جو
ان برائیوں کے خلاف کلمۂ حق کہے گا اور جہاد کرے گا۔ یہ دور برائیوں کی
طرف گامزن ہے۔ اس دور میں جہاد کی بہت سخت ضرورت ہے کیونکہ
تاریکیوں نے ہر طرف حکومت بچھائی ہوئی ہے۔ ضرور رب رحیم کی رحمت
جوش میں آئے گی اور ایسا مجاہد پیدا ہو گا جو دور جدید میں برائیوں کو ختم

کرنے کے لیے ہمیں جہاد ۔کی راہ

پیہم گامزن کرے گا۔

# فلاح و نجات

حوالدار منشاء احمد۔ لاہور چھاؤنی

دورِ جدید میں جب کہ ہر طرف ہر ملک میں اسلامی تحریکیں شروع ہو چکی ہیں۔ ان تحریکوں کو مقصدِ حیات تک پہنچانے کے لیے جہاد کی ازبس ضرورت ہے۔ ان پاک مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جہاد کے واجبات کو سمجھنا ضروری ہے کہ جہاد کب واجب ہے کب فرض ہے گذشتہ ادوار میں جہاد سے کیا کیا مقاصد حاصل ہوئے ان مقاصدِ حیات پر نگاہ ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے

اسلامی جہاد کی حقیقت اور اس کے مقاصد۔ عبادت کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ابتدائے انسانیت سے ہی دنیا میں زندگی کے دو مخالف نظریئے چلتے آرہے ہیں۔ ایک خالص مادی نظریہ اور دوسرا اخلاقی ان دو نظریات کے علمبردار ابتداء ہی سے باہم متصادم رہتے ہیں یعنی یہ دو مختلف مکاتبِ خیال ہیں۔ جو روز اول سے اپنے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے مصروف کوشش ہیں ایک کا مشن ہے ارباب من دون اللہ کی خدائی کو برقرار رکھنا اور بندگانِ خدا کو اس کی اطاعت پر مجبور کرنا۔ اس مشن کے داعی ملوک و سلاطین اور سرمایا دار ہیں اور دوسرے فریقین کا مشن یہ ہے کہ انسانی حاکمیت و الوہیت کو ختم کرنا اور اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کی ابدی حقیقت کو بروئے کار لانے کے لیے جدوجہد جاری رکھنا۔ اس مشن کے علمبردار خدا کے بھیجے ہوئے انبیاءؑ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ظاہر ہے ان دونوں فریقین میں کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے بلکہ ان میں شدید نظری اور اصولی اختلاف ہے۔ آپس میں نباہ کے لیے ایک نہ ایک کو اپنا تمام چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ان گروہوں کو منافقین کے ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں کسی جگہ "حزب اللہ" اور کسی جگہ حزب الشیطان" کے الفاظ آئے ہیں۔ کسی جگہ متقین اور مجازہ کی جامع اصلاحوں سے ان کے کردار اور اخلاق سیرت کے تفاوت کو واضح کیا ہے اور کہیں خیر البریّہ اور شر البریّہ ان کے ایمان اور کفر کے نتائج کو واشگاف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان نتائج سے صاف ظاہر ہے کہ شیطانی گروہ کا کام ہے۔ انسانیت کی تخریب یعنی انسانوں کو ہمہ گیر اصول انسانیت اور مصالح عامہ سے ہٹا کر گروہی اور جزوی مفادات کی طرف مائل کرنا اور اس کے برعکس خدائی گروہ کا کام عام انسانوں کو تخریب و فساد کی راہ سے ہٹا کر فکر و عمل کی راہ مستقیم اور انسانیت کی طرف لانا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدائی گروہ کی دعوت ایک ازلی دعوت ہے اور عام اصطلاح میں اس کا نام اسلام ہے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر ان میں باہم تصادم بھی ناگزیر ہے قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔

"ہم نے رسولوں کو معجزات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی نازل کیا تاکہ لوگ لفظ عدل پر کھڑے ہو جائیں"

اس گروہ کا دعویٰ ہے کہ حاکمیت صرف خدا کی ہو۔ قانون ہو تو

اُسی کا ہو اور تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خدا کے وفادار بندے۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ "تم اللہ کے عبادت گزار بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ"۔

یہ ہے اسلام کی دعوت! اور اس معصوم و مقدس دعوت کی راہ میں جو جد وجہد کی جاتی ہے۔ خواہ وہ قلم سے ہو۔ خواہ جنگ وقتال سے اس کا نام اسلامی اصطلاح میں "جہاد" ہے۔ اس بنار پر دعوےمیں حق بجانب ہوگا۔ جس طرح دینِ فطرت ایک ازلی نظامِ حیات ہے اس طرح ہی اس کو بروئے کار لانے کے لیے جو سعی وکوشش عمل میں لائی جاتی ہے۔ وہ بھی ایک قدیم حقیقت ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ لفظ جہاد ایک قرآنی اصطلاح ہے اور اس کی ابتدا نزولِ قرآن ہی سے مانی جاتی ہے۔ جہاں تک اسکی معنویت اور حقیقت کا تعلق ہے وہ انسانیت کی توأم ہے یعنی انسانی تاریخ کی ابتدا اس کی ابتدا ہے اور اس کا سلسلہ آئندہ بھی تاقیامت جاری رہے گا۔ حدیث بنوی ہے۔ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا"۔ ظاہر ہے کہ جہاد تاقیامت جاری رہے گا اور اس کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اسلامی معاشرہ اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے کائنات انسانی میں رشتۂ اخوت پیدا کرتا ہے اور جس نظریہ پر اسلامی معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے۔ وہ ایک ہمہ گیر صداقت اور نوعِ انسانی کا مشترکہ نصب العین ہے۔ جو کسی ایک انسانی فرقہ یا گروہ سے کسی طرح کا

اختصاص نہیں رکھتا اور جہاد دراصل پاک معاشرہ کے قیام کے
لیے تعمیری جدوجہد ہے۔ پاکستان میں گزشتہ برسوں میں علمائے کرام
کی ملک میں پاک معاشرہ کے قیام کے لیے جدوجہد ایک ثبوت ہے
موجودہ وقت میں ایران اور افغانستان میں اس طرح سے جاری کوشش کی کہ
خالص اسلامی معاشرہ ہو یہی جہاد ہے۔ اسی "جہاد" ہی کے جذبہ صداقت
نے ان ممالک میں لوگوں کو قربان ہونا سکھایا۔ ورنہ کسے جان عزیز نہیں
ہوتی ہے۔ انشاءاللہ وہ وقت دور نہیں جب کہ دنیا کے ہر کونے سے
لا الٰہ کی آوازیں گونجیں گی انصاف کا بول بالا ہوگا۔ اور ہر طرف حق و سچ کے
چشمے بہہ رہے ہوں گے اور غیر مسلم اہل قلم کے منہ پہ ایک طمانچہ ہوگا،
جو اسلامی جہاد کو ایسے خوفناک انداز میں پیش کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو
جہاد کی حقیقت سے ناواقف ہو۔ ان کی تحریر ہی پڑھ کر لرزہ براندام
ہو جاتا ہے۔ اور یہ لازمی ہے کہ ناقص العقل اسلام کو ایک وحشیانہ مذہب
اور اہل اسلام کو ایک ظالم اور وحشی قوم تصور کرنے لگتا ہے۔ مگر حقیقی
معنوں میں ان مفکروں نے اسلام کے فلسفہ اجتماع کو سرے سے ہی
سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کی آج تک یہ طے شدہ حکمت عملی رہی
ہے کہ حق و صداقت اور دیانت و شرافت کا خون کرتے چلے آرہے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جو اخلاقی قدروں اور انسانیت کے قاتل ہیں، غرض اہل
مغرب کے قلم سے جو کچھ مسئلہ جہاد پر نکلا ہے۔ وہ ایک ذلیل ڈپلومیسی
کا نہایت ہی شرمناک مظاہرہ ہے۔ انہوں نے اسلامی احکام و اعمال

کو ایسی خوفناک شکل میں پیش کیا کہ دیانت و صداقت سر پیٹ کر رہ گئی۔ آج تک ان کا قلم اور ان کی صحافت ہی کہہ رہی ہے کہ مسلمانوں کے مذہب کی سب سے بڑی کتاب "قرآن پاک" ہی ان کو (یعنی مسلمانوں کو) اس وحشت وہیبت کا سبق دیتی ہے۔ اس لیے اس قوم کا اقتدار اور وجود ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ اسرائیل کا وجود۔ بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ۔ اہم ثبوت ہیں۔ اسی طرح ان اہل قلم نے ہر اسلامی ملک میں اپنے قلم کا زور شروع کر رکھا ہے۔ خواہ اس کی آئیڈیالوجی کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اسلامی اصولوں کے منافی ہو گی۔

دور جدید میں پس ماندہ اور غریب طبقوں کے لیے جہاد ہی وہ عمل عظیم ہے۔ جو بلند وپست کے امتیاز کو مٹا کر انسانوں میں مساوات عامہ پیدا کرتا ہے۔ اس لیے آج کے دور میں اس کی اہمیت وضرورت بڑھ گئی ہے۔ دنیا کی عظیم ترین آبادی کے لیے مجاہد کی صدائے تکبیر سے بڑھ کر کوئی آواز خوش آئند نہیں ہے۔

ع     از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر

یادگارے کہ دریں گنبد دوار بماند

دور کوئی بھی ہو۔ جہاد اصل میں ایک نہایت معصوم اور مقدس انسانی عمل ہے۔ جس کا مقصد فساد کو جڑ سے اکھاڑنا اور انسانیت عامہ کی فلاح ونجات کے لیے وجود کو پیش کرنا ہے۔ اس کے سوا اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر قانون ہو تو خدا کا اور اس

قانون کے تحت ہر انسان آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔

جہاد کی ضرورت تا قیامت ہو گی اور اس کا وہی عمل دخل ہو گا۔ جس کا مقصد استیصال فتنہ اور اعلائے کلمۃ الحق ہو۔ یعنی اس خدا کی زمین میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی مانی جائے۔ اگر اس مقصد کے لیے جنگ کی جائے۔ تو یہ شر نہیں بلکہ سراپا خیر ہے اور ایسی جنگ کرنے والوں کو مجاہد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مجاہد کا لفظ صرف اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس کی ایک ایک حرکت اسلام کے مابعد الطبیعاتی تصورات اور اخلاقی اقدار (Moral values) کی پابند ہو۔ یا اس کے لیے کوشاں ہو۔ نیز اس کے آداب صلح و جنگ وہی ہوں جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ادوار کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ جس وقت ضرورت پڑے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے

"تم اہل کتاب ان لوگوں سے جہاد کرو۔ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور دین کو قبول نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ وہ مطیع ہو کر جزیہ دینا قبول نہیں کر لیتے (سورہ توبہ)

پھر اللہ پاک فرماتا ہے کہ "تم ان کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور اطاعت صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہو جائے (انفال)

"لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین

پر فساد بر پا کرنے میں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلا وطن کر دیا جائے۔ دنیوی زندگی میں ان کے لئے ذلت اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (آیت)

تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کفر سے لڑنے کا حکم دیا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اگر وحدت اسلامی میں رخنہ پیدا کرنا چاہتی ہے تو اس کے خلاف بھی جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وقت کے معیّن ہونے کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ جب جہاد کرنا مقصود ہو تو جائز ہے۔ اور پھر اس دور میں جب کہ ہر طرف تحریک احیائے اسلام چل چکی ہے۔ واجب ہے۔

احادیث میں جہاد کا حکم بھی فرمایا گیا ہے۔

جو شخص اس مقصد سے تمہارے پاس آئے کہ تمہارے شیرازہ ملّت کو منتشر کر دے تو اسے قتل کر دینا چاہیئے خواہ کوئی بھی شخص ہو۔

جامع التفسیر میں ہے کہ "جہاد فرض کفایہ ہے اگر مسلمانوں کا ایک

گروہ اس فرض کو ادا کر رہا ہے اور دوسرے مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بھی اس فریضہ کو ادا نہ کرے تو تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے۔

اول الذکر حوالوں سے ظاہر ہے کہ جہاد ایک دائم اور مسلسل حقیقت ہے اور اس کو ہر زمانہ میں جاری وساری رکھنا ضروری ہے اور پھر یہ ظاہر ہے کہ قتال بالکفار کا عمل ہر دور میں جاری نہیں رہ سکتا۔ اور حالات ومصالح کے ساتھ جہاد کی ہیئت بدل جاتی ہے۔

آج اسلامی ممالک کی حالت یہ ہے کہ اگرچہ وہ ایک حد تک آزاد ہیں مگر اس قدر مجبور و بے بس ہیں کہ بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک کا سہارا لیے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ حالانکہ مسلمانانِ عالم تعداد، جغرافیائی محلِ وقوع اور قدرتی ذرائع پیداوار کے اعتبار سے اس قابل ہیں کہ ان کو دنیا کی بڑی طاقت عظیم تسلیم کر لیا جائے۔ آج اس وقت ایسے میں متحد اور بڑی طاقتوں کے پنجے سے نکلنے کے لیے جہاد کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ اندرونی خلفشار کو ختم کر کے عظیم طاقت بنیں۔ علامہ اقبال رحمۃ فرماتے ہیں۔

ع تا شعار مصطفیٰ از دست رفت
قوم را رمزِ بقا از دست رفت

آج اخوت اسلام کے رشتے کو مضبوط رسی سے باندھنے کے لیے جہاد کی ضرورت ہے۔ علامہ آیت اللہ خمینی صاحب نے فرمایا تھا

کہ اگر فوج نے ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو عوام کو جہاد کا حکم دے دیا جائے گا۔ ابھی بھی اس ملک میں (ایران) میں صحیح اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے شاید ضرورت محسوس ہو۔ اور آج اگرچہ پاکستان میں پاک معاشرہ کے لیے پاکستانی علمائے کرام فوج کی مدد کر رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں بھی حالات کو سدھارنے کے لیے جہاد کا حکم صادر کرنے کی ضرورت محسوس ہو اور یہ یقینی بات ہے۔ ہمارے علماء کی تاریخ میں کامیابی سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔ جنہوں نے معاشرہ کو پاک کرنے کے لیے اور اس کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہر قسم کی تکالیف اٹھائیں۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس سائنسی دور میں خدا کے بندوں کو قدم قدم پر جہاد کی ضرورت ہو گی اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ نتیجتاً یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جہاد کی ضرورت تاقیامت محسوس ہوتی رہے گی اور دورِ جدید میں بھی اس کی (جہاد) ضرورت ہے۔

# قربانی

محمد یوسف۔ کراچی

دور جدید میں جہاد کی اہمیت کو واضح کرنے سے پہلے میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلے جہاد کا مطلب واضح کر دوں۔

جہاد "جہد" سے نکلتا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ انتہائی کوشش اور سعی کرنا۔ شریعت میں جہاد نام ہے۔ کوشش اور قربانی کا جو اللہ کی راہ اور دین کی اشاعت میں کی جائے چاہے یہ قربانی جانی ہو یا مالی مذہبی اصطلاح میں جہاد دین کی سربلندی ملت کے دفاع اور نیکی کی اشاعت کے لیے کوشش اور اسلام کی راہ روکنے والوں کے خلاف مسلح جنگ کا نام ہے۔ دور جدید میں جہاد کی ضرورت انتہائی سخت ہے۔ جہاد جانی طریقے سے بھی کیا جاتا ہے اور مالی طریقے سے بھی جانی طریقے سے جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے ملک پاکستان اور اپنے دین اسلام کی سربلندی کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ اور اسلام کا پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ چاہے ہماری راہ میں کتنی ہی دشوار گزار منزلیں کیوں نہ آئیں اور چاہے ہمیں اپنے ملک کے لیے اپنی جان تک ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے ملک سے اسلام دشمن عناصر کو ہٹا دیں اور کوئی ایسی بات نہ ہونے دیں۔ جس سے ہمارے ملک یا ہمارے مذہب پر آنچ آئے اور دور جدید میں اس بات کی بہت اہمیت ہے کہ ہم اپنے ملک اور اسلام

کو بچانے کے لیے جہاد کریں اور اسلام کے پیغام کو گوشے گوشے میں پہنچائیں تاکہ ہم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ ہم مالی طریقے سے بھی جہاد کر سکتے ہیں۔ مالی طریقے سے جہاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر اسلام کی سربلندی کے لیے ہمیں دولت کی ضرورت پیش آئے تو خدا کی راہ میں روپیہ دینے سے دریغ نہ کریں۔ خدا کی راہ میں دولت کے ذریعے جہاد کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا۔ کہ ہمارے دل میں مال کی محبت کم ہو گی اور خدا کی محبت زیادہ ہو گی۔ غرض دورِ جدید کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس رنگ بدلتی ہوئی دنیا میں اسلام کی رسی کو نہ چھوڑیں اور اس کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے سے دریغ نہ کریں اور ہر وقت جہاد کے لیے کوشاں رہیں۔

# غفلت سے بیداری

محمد منظور شاہد ۔ جھنگ

**جہاد کے معنی:۔** لفظ جہاد بالفتح یا جُہد بالضم سے مشتق ہے جو طاقت اور وسعت کے معنی رکھتا ہے۔ قرآن شریف میں اس لفظ کا استعمال تین معنوں میں آتا ہے:

(۱) **بیان و تبلیغ قرآن** سے جیسے کہ اُنیسویں پارہ میں سورۃ الفرقان کے پانچویں رکوع میں ہے۔ وجاھدھم بہ جہاداً کبیرا اور جھگڑا کر ان کے ساتھ اس سے جھگڑا بڑا۔

(۲) **جابرانہ حکم یا جبر بلا قتل:** جیسے بیسویں پارہ میں سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع میں ہے۔

وان جاھداک لتشرک بی مالیس لک بہ علم" اور اگر جھگڑا کریں تجھ سے دونوں اس واسطے کہ تو شریک لادے ساتھ میرے اس چیز کو کہ نہیں واسطے تیرے ساتھ اس کے علم۔

(۳) **عبادت و نفس کشی در راہِ خدا:** جیسے اکیسویں پارہ میں سورۃ العنکبوت کی آخری آیت میں ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں محنت کی۔ البتہ ہم ان کو اپنی راستے دکھائیں گے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد تین اقسام پر منقسم ہے۔

(۱) دفعیہ (۲) انتقامیہ (۳) انتظامیہ۔

(۱) جہاد دفعیہ سے مراد وہ جہاد ہے جو دشمنوں کی حملہ آوری سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کیا جاتا ہے، جیسے کہ دوسرے پارہ میں سورۃ البقرکے ۲۴ رکوع میں ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین

اور لڑو خدا کی راہ میں ان لوگوں سے کہ لڑتے ہیں تم سے اور زیادتی مت کرو۔ تحقیق اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

دوسرے الفاظ میں جہاد نام ہے اسلامی کاموں میں جدوجہد کا۔ فلاح و کامرانی قومی جدوجہد کے دو ہی طریقے ہیں۔ ارتقائی اور انقلابی اسلام موقع اور محل مناسب کے تحت دونوں کا داعی ہے۔ جہاد عمومی درحقیقت انقلابی جدوجہد کا دوسرا نام ہے جس کے تحت نظام باطل کو طاقت کے بل بوتے پر جڑوں سے اکھاڑ پھینکنا ہوتا ہے۔ اور ارتقائی جدوجہد کے ذریعہ کسی قوم کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ نظام عدل کو کما حقہ، حاصل کر سکے۔ آنحضور صلعم کی مکمل مکّی زندگی درحقیقت اسی ارتقائی جدوجہد کا نمونہ ہے اور مدنی زندگی انقلابی جدوجہد کا اسوۂ حسنہ ہے۔

ہماری بحث کا مقصد اس وقت انقلابی جدوجہد کے اسلامی اُصولوں پر روشنی ڈالنا ہے۔ اس میں چار باتیں زیرِ بحث آئیں گی۔ معلم انقلاب، دستورِ انقلاب، راہِ انقلاب اور اغراض و مقاصدِ انقلاب

لفظِ جہاد کی وضاحت بس اتنی ہی مناسب سمجھتا ہوں۔ جہاد لفظ سے واضح ہے۔ کہ اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور اب بھی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان پہ جہاد کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب مسلمان قوم اپنے مذہب اسلام سے دوری اختیار کر رہی ہو۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں تمہاری (مسلمان قوم) ہوا اکھڑی لیکن تم نے نہ سمجھا کہ تمہارے چودہ سو برس پہلے کے اسلام سے کیا چیز گم ہو گئی ہے۔ قومیں جب گرنے لگتی ہیں تو اس کے افراد پر اس طرح کی بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ گرنے والے سمجھتے ہیں کہ اُبھرے ہوئے ہیں مرض الموت کا مریض بھی صحت یاب ہونے کی آس لگائے رکھتا ہے۔ مرض اس کے ڈھنچر کو کھا جاتا ہے لیکن امید بندھی رہتی ہے کہ حکیم کی دوا اس کا مقابلہ کرے گی لیکن گرتی ہوئی قوم اپنی مرض سے خبردار ہوتا تو درکنار صحت اور طاقت کے نشہ میں سرشار ہوتی ہے۔ اسے دوا اور علاج کی نہیں سوجھتی وہ سمجھتی ہے کہ اس کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا ناممکن ہے۔ اس کا مقابلہ کوئی خدائی طاقت نہیں کر سکتی۔ اس کی ہر چال اور چلن ٹھیک ہے

روما کی عالم آرا سلطنت کا زوال اس روز سے شروع ہوا۔ جب روما کے شہر اور روما کی سلطنت کو غیر فانی قرار دیا گیا۔ جب روما کے رہنے والے اپنی طاقت کے نشے میں مدہوش ہونے لگے۔ جب طاقت کا احساس غرور اور دھوکا میں تبدیل ہو گیا۔ ہاں مرض الموت کے مریض کی آس درست اس لیے ہے کہ اپنی مرض کا علاج حکیم علاج اور دوا

سے کر رہا ہے۔ لیکن گری ہوئی قوم کی آس ایک نرا دھوکا اور فریب محض ہے۔ کیونکہ اسے اپنے مرض کی مطلق خبر نہیں۔ وہ اپنے مرض کو آسان سمجھ رہی ہے۔ حکیم اور علاج کی پرواہ نہیں کرتی اور دوا کی روک ٹوک کے بغیر ہلاکت کے جہنم کی طرف اپنے ہاتھوں گھسٹ رہی ہے۔ اصلاح یافتہ اور درست ہونے کے فریب نے مسلمانوں کو تین سو برس تک مدہوش رکھا۔ تم نے اس اثنا میں اپنی حالت کی طرف نہ دیکھا کہ کیا سے کیا بنتے گئے۔ کچھ اپنے نفس کا جائزہ نہ لیا کہ کیا کیا ورغلاتا رہا۔ بالآخر جب سلطنت کا زوال اٹل ہو گیا اور قضا و قدر کے کارکنوں نے ہندوستان کی بادشاہت کا انعام تم سے مکمل طور پر چھین لیا تو تمہیں اپنی اصلاح محسوس ہوئی۔ پہلی آواز آنے لگی۔ مسلمانو! درست ہو جاؤ۔ اپنا چال اور چلن درست کرو۔ اپنا اسلام درست کرو۔ پکے مسلمان بن جاؤ۔ خدا تمہارے سے ناراض ہے۔ اس کو پھر راضی کرنے کی تدابیر اختیار کرو۔ خدا کا مسلمان سے بہتری کا وعدہ ہے۔

مگر اس سو برس کی مدہوشی اور خوابِ غفلت سے آہستہ آہستہ تمہارا بابا آدم اس طرح بدل گیا تھا کہ تمہیں اور تمہارے مصلحوں کو تمہاری اگلی مسلمانی کی تصویر کچھ یاد نہ رہی۔ اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ درست ہونا کیا شے ہے۔ پکے مسلمان بننے کے کیا معنی ہیں۔ اسلام کو درست کرنے کا کیا مطلب ہے۔ مسلمان میں اس وقت تک تخیل مٹ چکا تھا کہ دنیا میں غالب بن کر رہنا ہی اسلام ہے اسلام

صرف چند رسوم کا مجموعہ ہے۔ سعی اور عمل کی جگہ قسمت اور تقدیر نے لے لی تھی۔ اتحادِ عمل کی ہوا اکھڑ چکی تھی۔ جہد و عمل توکّل کے غلط مفہوم سے بدل چکا تھا۔ نظم و نسق اور اطاعتِ امیر کا تخیل ذہنوں سے قطعاً سرک گیا تھا۔ غلامی کی زنجیروں نے بلند نظری مفقود کر دی تھی۔ نماز روزہ۔ حج اور زکوٰۃ اسب کے سب عالم انگیز اعمال اجتماعی اور سیاسی سطح سے گر کر انفرادی اور شخصی افعال بن چکے تھے۔ دین اور سیاست کے میدان الگ الگ ہو چکے تھے۔ مولوی اور عالمِ دین نے سلطنت کو مسلمان کے ہاتھ سے چھنتی دیکھ کر اپنے زعم میں مذہب کو بربادی سے بچانے کے لیے دلوں میں غلط خیال ڈال دیا تھا۔ کہ دنیا یعنی سلطنت مُردار چیز ہے اور اس کا طالب کتا ہے۔ عیش کوشی اور تغافل۔ بُزدلی۔ اور نامردی، نامرادی، بے خبری اور جہالت نے مسلمانوں کی بُود و باش۔ شکل و شباہت بلکہ وضع قطع میں وہ عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ مسلمان کے پاس تلوار بلکہ کسی لازمہ طاقت کا ہونا اس کی مذہبی آن کے خلاف تھا۔ الغرض اس دگرگوں حالت میں قومی مصلح جوق در جوق نمودار ہوئے۔ اُمت کے یہ حکیم تاریخ خواں ضرور ہوں گے مگر تاریخ دان ہرگز نہ تھے۔ انگریز کی چالوں سے ناواقف۔ انگریز کی زبان سے نابلد انگریز کے چلن اور طبیعت سے بے خبر المختصر نہ دوا کے ماہر اور نہ زہر سے آشنا نہ مریض کے بناضی نہ مرض کی خبر۔ انہوں نے امتِ مُسلمہ کو پہلی بلندی پہ پہنچانے کے کئی علاج تجویز کیے کسی نے دعاؤں اور تعویذوں

کو درست رکھنے پر زور دیا۔ کسی نے دینِ اسلام کے متعلق بحثوں اور مناظروں، فرقہ بندیوں اور آپس میں کفر کے فتوؤں کو عروج حاصل کرنے کا باعث سمجھا۔ کسی نے کہا کہ مسلمانوں کو پہلے عروج پر پہنچانے کے لیے سکولوں اور کالجوں کی ضرورت ہے۔ کسی نے نظام پیدا کرنے کی عبث خواہش میں آئین سازی تجویز کی۔ کئی ایک قوم کی مستقل مرثیہ خوانی میں لگ گئے کہ قوم کے جذبات اُبھریں کئی ایک نے چندہ جمع کرنا زوالِ قوم کا علاج سمجھا۔ ایک طبقہ عورتوں میں اسکول کی تعلیم نہ ہونے کو باعثِ زوال سمجھتا رہا۔ کچھ رہنما انگریزی ملازمتوں کے حصول کو کامیابی کی کلید بتاتے رہے۔ کچھ انگریزی طرزِ معاش اختیار کرنے کے دلدادہ ہو گئے۔ کچھ اصلاحِ رسوم میں مشغول ہو گئے۔ الغرض سلطنت کے زوال کے بعد قوم کو عروج پر پہنچانے کی تجویزیں اس قدر نارسا اور پھُس پھُسی تھیں کہ قوم آج کل غلبہ کی کسی منزل تک پھر نہ پہنچ سکی۔ ہندوستانی مسلمان قوم کا زوال آج دو سو برس کی اسلام فروشی اور قریباً سو برس کی غلط تدبیروں کے بعد اس قدر دردناک اور مکمل ہو چکا ہے۔ اور اب حکیموں اور چارہ گروں کی غلط تدبیروں کے بعد اس قدر دور ہو کر مریض کو خود اس وقت اصلی اور نبوی اسلام کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت ہے جیسے تئیس برس کے اندر اندر عرب جیسی اجڈ اور کفر و نفاق سے بھری ہوئی قوم کو دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب آنے کا اہل بنا دیا تھا۔

اسی طرح دورِ حاضر کی مسلمان قوم بھی بری چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے

جس کا واحد حل اصلاح مذہب کی طرف رجوع سے ہے اور
یہی جہاد ہے کہ ان سرایت شدہ اخلاقی برائیوں کو اپنے اندر سے
نکال کر باہر پھینکا جائے۔ ہادی اسلام کا قول ہے کہ آگے چل کر
اسلام کی گری ہوئی امت انہی باتوں پر عمل کر کے پھر ابھر سکے گی۔
جن پر چل کر میرے وقت کے لوگ ابھرے تھے۔ یہ حدیث اس امر
کی تسکین ہے کہ مسلمان کا علاج اسلام ہے اور اسلام جہاد سے آتا ہے
قرونِ اولیٰ کے کافروں نے جب تک کفر نہ چھوڑا۔ فلاح نہ پا سکے اور
جب تک آج کے مسلمان کفر کو چھوڑ کر اسلام اختیار نہیں کریں گے۔
ترقی پذیر نہیں ہو سکیں گے لیکن بڑا جھگڑا اس بات پہ ہے کہ اس پر
پھر اسلام اختیار کرنے کے کیا معنی ہیں۔ آج مسلمان کلمۂ شہادت۔ نماز
روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کا پابند ہوتے ہوئے اس بات کا انکاری ہے
کہ وہ اپنے کفر کے باعث گر رہا ہے اور اس کو آج کافر اسلام کہنا
اس کے تن من میں آگ لگا دیتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں رہا کہ تین سو
برس پہلے اسلام کے ان پانچوں ارکان کا رنگ اور تھا۔ ان کی باندھی
ہوئی ہوا اور تھی۔ اس کلمہ شہادت میں خدا کے خدا ہونے کی گواہی
ہر دم اور صاف نظر آتی تھی۔ اس نماز۔ اس حج اس روزے اور اس
زکوٰۃ میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اجتماعی قوت کو ایک نظام میں لانے
کی وہ عظیم الشان طاقت عیاں تھی کہ کالجوں سکولوں۔ انجمنوں اور مرثیہ
خوانوں۔ چندوں اور عقائد پر فرقہ بندیوں، بحثوں اور مناظروں کے نہ ہوتے

ہوئے مسلمان ہندوستان کی وسیع سلطنت کے مالک تھے۔ اول اُس عظیم الشان حکومت کے ہر شعبے کو حسنِ تدابیر اور خوبی انتظام سے خود سنبھالتے تھے۔ آج اگر مسلمان ایک انجمن، ایک کالج، ایک سکول، ایک عقیدہ، ایک بحث کو سنبھالنے اور اپنے پسند کردہ کو بروئے کار لانے کے قابل نہیں رہا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین سو برس پہلے کے انسان کی صحیح تصویر کو جو ہندوستان میں نظر آتی تھی بھول چکا ہے۔

مسلمانو! اگر تم اپنی آنکھ سے پٹی ہٹا کر غور کرو۔ تو سمجھ سکتے ہو کہ ہمارے باپ دادا نے اگر دنیا میں ایک ہزار برس تک دھڑلے سے بادشاہت کی ہے۔ اگر ہمارے آباد اجداد نے ہزاروں میل سے آکر ہندوستان کی سلطنت پر کئی حملوں کے بعد قبضہ کر لیا۔ اگر قرونِ اولی کے مسلمانوں نے بارہ برس میں چھتیس ہزار شہر اور قلعے فتح کیے۔ اگر دینِ اسلام کے پہلے دعویدار بلا ناغہ ایک دن میں نو، نو شہر اور قلعے فتح کیا کرتے تھے۔ تو اس اسلام اور آج کل کے اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا۔ غور کرو کیا سلطنتوں کو فتح کرنا ہاتھوں اور پیروں کو بے پناہ اور متواتر عمل کے بغیر ہو سکتا ہے۔ کیا بہادری بے خوفی آپس میں کامل محبت، سردار کی مکمل فرمانبرداری، تلوار چلانے کے ہنر میں کمال ہزاروں میل پیدل سفر کرنے کی قابلیت۔ بھوک اور پیاس پر صبر میدان جنگ میں مارنے اور مرنے کی تمنا الغرض مکمل سپاہیانہ قابلیت حاصل کیے بغیر ہمارے باپ دادا، چھوٹے سے چھوٹا فتح کر سکتے تھے؟ کیا اس زمانہ کے مسلمانوں کو ادنیٰ

سی فرصت بھی کسی عقیدے پر بحث کرنے یا کسی انجمن یا سکول بنانے کے لیے ملتی تھی۔ کیا عرب جب تک دنیا کو زیر نگیں کرتے رہے۔ کسی کالج یونیورسٹی یا سکول سے پڑھ کر فتح کرتے رہے۔ کیا یہ سب کے سب سپاہی جنہوں نے دنیا کی حکومتیں زیر و زبر کر دیں۔ پانچ نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ تیس روزے نہیں رکھتے تھے۔ کیا ان کو اپنی روزی کی فکر نہ تھی۔ کیا ان کی تجارتی مصروفیات نہ ہوتی تھیں۔ کیا وہ سب کے سب بیویاں، بچے، بھائی، بہن، عزیز و اقارب اور والدین نہ رکھتے تھے۔ کیا ان کی مجبوریاں اور مصروفیات نہ ہوتی تھیں۔ کیا ان سب فرائض کو ادا کرنے کے بعد ان کا دن رات کا عمل یہ نہ ہوتا تھا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر اللہ کی زمین پر قبضہ کریں۔ کیا خاوند کی بیوی سے اس طرح کی محبت ہوتی تھی جو آج کل ہے۔ کیا بیٹا باپ کو اس طرح گلے لگائے رکھتا تھا۔ جیسا کہ آج ہر گھر میں ہے۔ کیا مسلمانوں کی کروڑوں روپوں کی تجارتیں ان کو اس طرح ناکارہ اور اپاہج کر دیتی تھیں۔ جس طرح کہ آج کل چھوٹی سی دکان مسلمان کو کر دیتی ہے۔ کیا مسلمانوں کو اپنی لاکھوں روپیہ کی جائیداد اس کے اعضا کو اس طرح شل کر دیتی تھی۔ جس طرح کہ ایک بوڑھے کی محبت آج اوسط مسلمان کو کر دیتی ہے۔ نہیں کیا اس وقت کے مسلمان نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اپنے اسلام پر اس طرح مطمئن اور معذور تھے۔ جس طرح کہ آج کل کے مسلمان ہیں کیا اسی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا عملی نتیجہ سپاہیانہ اور فاتحانہ زندگی نہ تھا۔ کیا نماز،

روزہ، حج اور زکوٰۃ اس مجاہدانہ اور فاتحانہ زندگی کو پیدا کرنے کے اوزار نہ تھے۔ کیا ہر مسلمان نماز پڑھنے کے بعد یہ نہ سمجھتا تھا کہ خدا مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑا کر کے مجاہد اور سپاہی بنانا چاہتا ہے اپنے آگے جھکا کر غیر اللہ سے باغی کرنا چاہتا ہے۔ اپنا سجدہ کرا کر بیوی اور بچوں، مکانوں اور باغیچوں، بوریاں اور چھکڑوں کے آگے سجدہ کرانا نہیں چاہتا۔ نماز میں یکساں حرکتیں کر کے سب کو متحد اور یک عمل کرنا چاہتا ہے۔ کیا روزہ رکھ کر اس وقت مسلمان نہ سمجھتا تھا کہ یہ روزہ کسی دن ایک قلعہ فتح کرنے کے کام آئے گا۔ زکوٰۃ دینے کے وقت یہ جانتا تھا کہ یہ روپیہ تلواروں اور توپوں پر خرچ ہو گا۔ حج پر جاتے وقت یہ نہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کی کانفرس پر عام مسلمانوں کی کسی بگڑی کو بناتے مسلمانوں کی عالمگیر شوکت کا اندازہ کرنے یا کفر کے خلاف کسی بڑی سازش میں شریک ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے والد اٹھارہ برس تلوار لے کر گھر سے کئی سو میل دور اسلام کی لڑائیوں میں جہاد کرتے رہے۔ مالک رح رخصت کے وقت کوئی دس بارہ برس کے ہوں گے۔ اس اٹھارہ برس کی مدت میں ماں کی تربیت اور تعلیم نے حضرت کو بغداد کو قاضی القضاۃ کر دیا۔ اٹھارہ برس کے بعد اس کے مجاہد والد نے گھر پہنچنے سے پہلے جمعہ کی نماز بغداد کی جامع مسجد میں پڑھی۔ قاضی القضاۃ کا جلال دیکھا کہ ہزاروں آدمیوں کا مجمعہ اس کے گرد دم بخود بیٹھا تھا۔ لیکن خبر نہ تھی کہ مالک رح اس کا بیٹا ہے

نماز ادا کر کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا بیوی نے اٹھارہ برس تک خاوند
کو نہ دیکھا تھا۔ اس لیے دروازے کی دراز سے نہ پہچان سکی۔
بالآخر خاوند نے کئی پتے دے کر بیوی کو دروازہ کھولنے پر راضی کیا۔
کچھ دیر بعد پوچھا کہ مالک کہاں ہے۔ ماں نے فخریہ جواب دیا کہ نمازِ
جمعہ ادا نہیں کی اور کیا قاضی القضاۃ بیٹے کے جلال کو دیکھ کر نہیں
آئے۔ باپ سُن کر ششدر رہ گیا۔ اور واپس مسجد میں گیا۔ جب
گھنٹوں کے بعد ہجوم کم ہوا تو رعب و جلال کھاتے ہوئے بیٹے سے
بغلگیر ہوا اور دونوں آبدیدہ ہو گئے۔

## اسلام کا پہلا نقشہ

مسلمانو! اس ایک خاندان کی زندگی پر غور کرو کہ مسلمان کسی زمانے میں کیا
تھے۔ سوچو کہ باپ کو اس کے سوا دُھن نہ تھی کہ بیٹا اپنی زندگی تلوار
کے جہاد میں صرف کرے ماں ایسی حوصلہ مند تھی کہ خاوند کی غیر حاضری
کو ۱۸ برس تک محسوس نہ کیا اس پائے اس درجے اور اس دھڑلے کی
عورت تھی کہ بیٹے کو بہترین مقام پر پہنچا دیا۔ باپ کو اسلام کی راہ میں
جہاد کے مقابلہ میں بیٹے کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ ماں کی عظمت۔ اس کی
عفت اور پاکدامنی اس کی اولاد کے متعلق فرض شناسی اس کے خاوند
کی غیر حاضری میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا اس کا خاوند کی راہ میں روک
نہ ہونا۔ بیٹے کا باپ کی غیر حاضری میں ماں کا تابع رہنا الغرض ایک
ہزار سال پہلے کے اسلام کی ایک تصویر اس چھوٹے سے قصے سے

عیاں ہے۔ آج یہ افسانہ اس لیے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام کا تخیل بگڑ چکا ہے۔ مسلمانی کی تصویر کسی کو یاد نہیں رہی۔ مسلمانی آج اس میں ہے کہ باپ، ماں، بیٹا سب کے سب ایک دوسرے کی نامناسب محبت میں پھنس کر عام اعضاء کو شل کر دیں۔ قوم کے لیے کوئی مفید کام نہ ہو سکے۔ سب کے سب مردار دنیا کے کتوں کی طرح لگ جائیں تاکہ سلطنت حکومت اور غلبہ کا آخری نشان مٹ جائے۔ دنیا فی الحقیقت مُردار ہے۔ کیونکہ اس کا طلب کرنے والا بیکار ہو کر مردہ ہو جاتا ہے۔ قوم کو مُردہ کر دیتا ہے۔ مسلمان دنیا کا آج اس قدر طالب ہے کہ ایک چیتھڑے اور بوریئے کی محبت بیوی اور بچے کا چھوٹا سا عذر، نفس کا ایک ادنیٰ سا بہانہ اس کے تمام اعضاء کی حرکت کو روک دیتا ہے۔ مسلمان کو دنیاوی سلطنت آج اس لیے نہیں ملتی کہ وہ دنیا کا حد سے زیادہ طالب ہے اور جہاد کو چھوڑ بیٹھا ہے۔ دنیا اسی قوم کو ملا کرتی ہے جو دنیاوی، عیش و عشرت اور جاہ و جلال سے بے نیاز ہو۔ قومیں زندہ اس لیے ہیں کہ انہیں خدا کے حکموں کے سوا کسی شئے کی محبت نہیں۔ ان میں مال و دولت فرزند و زن، جاہ و غرض کے بُت اکثر نہیں ہوتے وہ صرف خدا کو مانتی ہیں اور خدا کا ہی ڈنکا بجاتی ہیں کیونکہ فرمانِ ہادی ہے کہ ذکرِ خدا کرنے والا زندہ کی مانند ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ کی مانند ہے۔ قرآن نے صاف کہہ دیا ہے۔ مسلمانو! تمہارے مال اور اولاد صرف فتنہ ہیں۔ ہم انہیں دے کر آزماتے ہیں۔ تم ان کی محبت میں

کس طرح پھنستے ہو۔ ورنہ یاد رکھو کہ ہم دنیا میں عروج اسی قوم کو دیں گے جو ان کی محکوم نہ ہو۔ وہی قوم خدا کے سامنے مقبول ہے جو اپنی نفسیانی خواہشات اور تقاضوں کو دبا کر اللہ واحد کے بتائے ہوئے راستے پر چلے مگر کیا آج کے دور میں دنیاوی جاہ وحشمت، مال و دولت اور شہرت کے حصول کا جذبہ انسانوں میں نہیں رچا ہوا کیا اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جہاد کی ضرورت نہیں ؟

ان تمام چیزوں سے دوری اختیار کرنے کے لیے ہمیں ان کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ کیونکہ اللہ کو ایسی قوم چاہیئے جو اس کی محکوم ہو غلام ہو اور تابع فرمان ہو۔ اگر خدا کی مقبول قوم بننا چاہتے ہو تو تمام دنیاوی باتوں کے خلاف جہاد کرو۔ خدا کے سوا سب شئے اپنے سامنے ہیچ اور ناقابل اطاعت بناؤ۔ کسی ماسوا سے لگاؤ نہ رکھو۔ تمام مسلمانوں سے خدا واسطے کی محبت کرو۔ ہر ایک پر نیک گمان رکھو۔ مال۔ اولاد، ماں۔ باپ۔ زن و مرد سے صرف اس قدر لگاؤ رکھو کہ قوم کی ترقی کے راستے میں حائل نہ ہو۔ نفس کو ادنیٰ سا آرام نہ دو۔ محنت اور مشقت کا عادی بنو۔ حیاء سے غیر اور غیر کے مال پر آنکھ نہ اٹھا۔ اپنی جان کو اسلام کی حفاظت کے بالمقابل بے قدر و قیمت جان۔ تو پھر بادشاہت و حکومت تیری ہو گی۔ شاہ نظر اور شاہ کرم تجھ پر ہو گا۔ نماز۔ روزہ، حج اور زکوٰۃ کو تمام دنیا سے جنگ کرنے کے اوزار سمجھ۔ تمام دنیا میں اسلامی حکومت قائم کرنا اپنا مقصود سمجھ۔ یہی خدائے عظیم کے آخری رسولؐ

کی تیئیس برس کی مکی اور مدنی زندگی کا ماحصل تھی۔ یہی اسوۂ رسول ؐ تھا۔ یہی دین تھا یہی مذہب تھا۔ اسی مذہب پر چلنے اور اخلاق کے پیدا کرنے کے لیے رسولِ خدا بھیجے گئے تھے۔ قرآن حکیم نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ رسول ؐ کو ہدایت اور دینِ حق دیکر صرف اس غرض وغایت کے لیے بھیجا ہے کہ اس دین کو عام دینوں پر غالب کر دے۔ خواہ یہ روئے زمین پر چھا جانا کافروں کو بُرا کیوں نہ لگے۔ ان تمام احکام خداوندی سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جہاں حالیہ دور کی اشد ضرورت ہے۔ هو الذی ارسل رسوله بالهدی

ودین الحق لیظهره علی الدّین کلّهٖ ولو کره المشرکون

ترجمہ :۔ کیا قرآن کریم کی اس نقصِ صریح کے بعد دین اسلام کی ماہیت کے متعلق کوئی شک باقی رہ سکتا ہے۔

مسلمانو! یوم میلاد النبی ؐ کو دینِ اسلام سمجھنے کی تقریب بناؤ۔ نبی ؐ کی ولادت کی سالگرہ کا یہ مطلب ہے کہ نبی ؐ کو سمجھو نبی ؐ نے تیئس برس تکالیف جھیل جھیل کر جو کچھ عرب کی کافر اور منافق قوم میں پیدا کر دیا۔ اس کو نہ بھولو نبی صلعم نے آٹھ برس مسلسل کوشش کے بعد صرف چالیس مرد اور پندرہ عورتیں مسلمان کی تھیں۔ اس کو نہ بھولو نبی ؐ نے گیارہ برس کی شبانہ روز محنت کے بعد صرف چند مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے تیار کیے تھے۔ اس کو نہ بھولو نبی ؐ کی مدت العمر تکلیفوں اور سوز و گداز کی محنتوں کے

باوجود ان کے وصال کے عین بعد ہی بیشتر عرب نبیؐ سے برگشتہ اور دینِ اسلام سے مُرتد ہو گیا تھا۔ اس کو نہ بھولو کہ نبیؐ کی وفات کے بتیس برس بعد ہی عالمِ اسلام میں دین سے برگشتگی اور فرقہ بندی شروع ہو گئی تھی۔ اس کو نہ بھولو جب دُنیا کے سب سے بڑے انسان کی تعلیم کو دنیا نے اس مشکل سے مانا اور اس مشکل سے اختیار کیا تو کیا دینِ اسلام ہمارے ملاؤں کی بنائی ہوئی کوئی آسان چیز ہو سکتی ہے۔ کیا ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان اور پوری دنیا کے ساٹھ کروڑ سے زیادہ مسلمان صرف مسلمان کے گھر پیدا ہو کر مسلمان بن سکتے ہیں۔ مسلمان کا دین اسلام یہ تھا کہ مسلمانوں کا جابر اور تند خو جرنیل حضرت عمرؓ مدینہ میں امیر المومنین ہے۔ سربراہ ہونے کے باوجود کھجور کے درخت کے نیچے سخت تپش میں کھجور کی چٹائی جسم پر لپٹنے کے باعث بدھیاں پڑی ہیں۔

الغرض مسلمانو! اگر اس دنیا میں اپنی گذشتہ عظمت اور بادشاہت کو پھر لینا چاہتے ہو۔ اگر چل کر روزِ قیامت کو کسی قسم کے ادنیٰ ثواب کے منتظر ہو تو قرآن کو خود دیکھ کر نئے سرے سے مسلمان بنو۔ اس میں صرف نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کا ہی حکم نہیں بلکہ بہت سے اور حکم ایسے ہیں جو ان سے بدرجہا ضروری ہیں۔ اس میں بیسیوں حکم ایسے ہیں۔ جن کے نہ کرنے کی سزا جہنم ہے اور جن کے کرنے کی جزا جنت ہے۔ جتنی سخت سزا ہے اتنا ہی ضروری حکم ہے۔ قرآنِ مجید میں جہاد میں جم کر لڑنے کی سزا جنت لکھی ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال لڑا

دینے کی جزا جنت ہے۔ آپس میں محبت اور اتحاد عمل کی جزا جنت ہے اسلام کی خاطر ترکِ وطن اور ہجرت کرنے کا بدلہ جنت الفردوس ہے۔ خدا کے سوا کسی غیر اللہ کے محکوم نہ بننے کی جزا جنت ہے۔ اپنے امیر کی کامل فرمانبرداری کی جزا جنت ہے۔ دنیا میں غالب اور سردار بن کر رہنے کی جزا جنت ہے۔

مسلمانو! اگر ہم اپنے دامن میں جھانک کر دیکھیں تو کیا اوپر ذکر کی گئی چیزیں ہم میں موجود ہیں۔ ہر گز نہیں کیونکہ آج کا مسلمان اپنے انفرادی مفاد کی خاطر قومی مفاد کو پسِ پشت ڈالے ہوئے ہے۔ اپنے ہی بھائی کا گلا دبا کر دنیاوی شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے اپنی اسلامی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر غیروں کو مہذب سمجھنے لگا ہے اور ہر کام میں ان کی ہی پیروی کی دُھن رکھتا ہے۔ وہ اخلاقی زندگی جو ہمیں اپنے اسلاف سے ملی اس کا دقیانوسی خیال کرتا ہے۔ پڑوسی کا حق۔ بھائیوں کے حقوق دوسروں پر رحم اور دوسری اچھی اقدار کا خیال نہیں رکھتا تو کیا ان تمام چیزوں کو واپس اپنی اصلی حالت پر لوٹانے کے لیے جہاد کی ضرورت نہیں۔ حالیہ وقت کی واحد ضرورت جہاد ہے کہ غداروں، غاصبوں رشوت خوروں، زانیوں، منافع خوروں بدکاروں اور فواحش کے اڈوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے اور ایسا معاشرہ پیدا کیا جائے کہ جس میں ہر انسان کی عزت و ناموس محفوظ ہو۔ مفلسی کا نشان مٹ جائے قطع رحمی کی جڑ نہ رہے۔ صلہ رحمی کی داغ بیل پڑ جائے اور ہر انسان سکون کی زندگی بسر

کرے نہ چوری نہ ڈر نہ ڈاکوؤں کا خطرہ اور نہ بے انصافی کا اندیشہ یہ صرف اس وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم ان تمام عالم گیر برائیوں کے خلاف جہاد کا فیصلہ کر لیں اور اپنی جان و مال تک کی بازی لگا دیں۔ ثابت ہوا کہ جہاد نظامِ اسلام کے قیام اور اسلامی قدروں کی ترویج کے لیے واحد راستہ ہے۔ انشاء اللہ اگر دورِ جدید کا ہر مسلمان اپنے دل میں تمام برائیوں کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ کر لے تو خدا بھی تمام برائیوں کو دُور فرما دے گا۔

**دین اسلام:۔** جو نبی آخر الزمان صلعم کے لائے ہوئے اللہ کے احکام کے مطابق اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے پاکستان کے باشندوں (طلباء، عوام کسان اور مزدور) کی غالب اکثریت بفضلِ خدا مسلمان ہے۔ لہذا پاکستان کا مذہب اسلام۔ سیاست اسلام معیشت اسلام۔ معاشرت صرف اسلام ہی ہو گی اور پھر مسلمان کا چلنا پھرنا۔ زراعت و تجارت، عقیدہ، عمل۔ کھانا پینا سب اسلام کے مطابق ہو گا۔ جہاد کا جذبہ دل میں لیے ہوئے ہم اپنی تمام کوشش نظامِ اسلام کے قیام اور اسلامی قدروں کے لیے وقف کر دیں گے۔ تاکہ ہمیں اپنے مسائل کا حل مل جائے۔

انشاء اللہ پھر غیر اسلامی نظام ہمارے ملک میں چلنے نہیں پائے گا۔ اور نہ ہی غیر اسلامی رجحانات کو وطنِ عزیز میں پھیلنے کا موقع ملے گا۔ ملت ذہنی اور عملی انتشار سے محفوظ رہے گی۔ ملک میں غیر اسلامی زندگی بسر کرنا محال ہو جائے گا۔ ان تمام اچھائیوں کے لیے ہمیں قربانیاں دینا

پڑھیں گی۔ تاکہ ہماری نئی نسل غلط راستے سے بچ سکے اور اپنے مقام کو پہچان سکے۔ اور انشاء اللہ جہاد کی برکت سے غداروں، غاصبوں رشوت خوروں، شرابیوں، زانیوں، منافع خوروں، بدکاروں، فحاشی کے اڈوں خواہ وہ کتنے ہی عروج پر ہوں تباہ وبرباد کر سکے گی -- اور ہر انسان اسلامی زندگی کرے گا۔ جو اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ایسا معاشرہ اور نظام جہاد کے بغیر ناممکن ہے اور یہی اس دور کی ضرورت ہے۔

# شمشیر و سناں اوّل

خورشید عالم گوہر قلم۔ لاہور

اس سے پہلے کہ میں جہاد کی ضرورت پر بحث کروں۔ یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان حالات کے متعلق آپ کو آگاہ کر دیا جائے جن میں جہاد کا طریقۂ کار خود بخود وضع ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک ہر برائی کا قلع قمع کرنا جس سے انسانیت کو، ملک کو اور اللہ کی طرف سے نافذ کردہ حدود کو خطرہ ہو کو جہاد کہتے ہیں۔ ہر دور میں تہذیب و تمدن اور اس وقت کی ضروریات کے ساتھ جہاد ہوتا چلا آیا ہے۔ جہاد درحقیقت دنیا میں مظلوم کو امان بخشتا ہے۔ اور جہاد حق دار کو حق دلوانے کا نام بھی ہے۔ ان پاکیزہ روایات جن کا اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے کے خلاف قدم اٹھانے والے کا قلع قمع کرنا بھی جہاد ہے۔ اس میں زندگی کا ہر شعبہ آتا ہے۔ ایک دور تھا جب گھوڑوں پر سوار تلواروں اور نیزوں سے جہاد ہوا کرتا تھا لیکن آپ اپنے موجودہ دور کو دیکھیں اور غور فرمادیں کہ جہاد کی کہاں کہاں ضرورت ہے اور اس کا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیئے۔

آیئے ہم اپنی ثقافت اپنی روایات اور اپنے تہذیب و تمدن کی طرف نظریں دوڑائیں اور پھر قرآن و حدیث اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی روشنی میں یہ فیصلہ کریں کہ کون سی بات درست ہے اور کون سی غلط اور جو بات غلط ہے اسے ختم کرنے میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

قومی تشخص:۔ ڈیڑھ سو سال پہلے نظر دوڑائیں جب مغلیہ سلطنت کا سورج

محض اسلامی ثقافت اور تہذیب و تمدن کو کچلنے کے لیے ڈوب دیا تھا اور
ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ڈال دی گئی تھی وہ کیا حالات تھے کہ مسلمان ہندوستان
کی ایک عظیم سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کبھی آپ نے اس کے
اسباب پر غور کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو مسلمان
شمشیر و سناں کو محض اپنے اقتدار کی خاطر عمل میں لائے اور ان کی سلطنت اور
فتوحات اسلامیہ کا تصور ان کے ذہنوں سے مٹ چکا تھا اور ان کے محلات
طاؤس و رباب کا مرکز بن گئے۔ آپ تاریخ میں جہاں کہیں نظر دوڑائیے، جہاں
کہیں آپ کو طاؤس و رباب، کی کہانی نظر آئے گی تو اس سلطنت کے زوال
پیش نظر ہو گا۔ یقین مانیئے کہ جب کوئی قوم اپنی تہذیب، ثقافت اور اپنے
اصولوں کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ غیروں کی غلامی میں فخر محسوس کرتی ہے۔ وہ
قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو نیست و نابود کر دیتا ہے
تو آئیے ہم بھی اپنے قومی تشخص کا جائزہ لیں۔ آخر ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا آزاد
وطن ہے ہم کہاں تک اپنی قومی اور مذہبی روایات پر کاربند ہیں۔ بعض لوگ
بلکہ ہماری اکثریت جن میں خواتین کی کثیر تعداد شامل ہے، عریاں لباس پہننے کو اور
مغربی تہذیب کی بڑھ چڑھ کر تقلید کرنے کو ترقی کا زینہ تصور کرتے ہیں حالانکہ
انہیں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ ترقی تو کیا اپنا قومی تشخص بھی گنوا بیٹھے ہیں اور یہ لوگ
ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیرنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے
ذہن اتنے پست ہیں کہ وہ ترقی یا تنزل کے معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان لوگوں
کی مثال ان بندروں جیسی ہے جو جنگلوں میں درختوں پر بسیرا کرتے ہیں اور ہر

آنے جانے والے انسان کا منہ چڑاتے ہیں اور اس کی پوری پوری نقل اتارتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ بندر ہی رہتے ہیں۔ کسی قوم، ملک، یا مذہب کے لیے ایسے لوگ ناسور ہوتے ہیں اور جہاں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے۔ وہاں، ملک، قوم، مذہب انسانیت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ آیئے! ترقی یا آگے بڑھنے کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ترقی و عروج کے معنی کیا ہیں۔ مغربی اقوام اگر ہماری تقلید کرتیں اور ہمارے اصولوں کو اپنایتیں اور ہمارے لوگ ان کی تہذیب اپنانے میں حقارت محسوس کرتے تو یہ ہماری ترقی تھی اور وہ کسی لحاظ سے ممکن تھی۔ اگر ہم سامانِ حرب، سائنسی ایجادات اور دوسری مشنری بنانے میں ان سے سبقت لے جاتے۔ یا وہ چاند پر پہنچے تھے تو ہمارے سیارے مریخ تک پہنچے ہوتے اور یہی ہماری ترقی تھی لیکن مغرب نے ہمیں کئی جانکاہ صدموں سے دوچار کیا ہے۔ آیئے ہم اس کا جائزہ لیں۔

مغرب نے سب سے پہلے ہم سے ہمارا قومی تشخص چھین لیا۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(۱) ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کے انگریز کے بدترین سامراجی دور نے صرف ان لوگوں کو ترقیاں دیں جنہوں نے انگریزی تہذیب کو اپنایا۔

(۲) مسلمانوں کو ان کے علماء سے متنفر کرنے کی کوشش کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری نوے فیصد آبادی دین سے قطعی طور پہ بے بہرہ ہے اور جو بے علم ہو اس سے عمل کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔

(۳) وہ بدسرشت ڈیرے جنھوں نے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں سے غداری کی اور اپنے مسلک ومذہب کا خون کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور جو انگریز کے yes man تھے۔ جن کا مقصد حیات اپنے انگریز آقاؤں کی خوشنودی تھا۔ صرف ان لوگوں کو مراعات دی گیئں اور انہیں نوازا گیا اور ذرائع ابلاغ ان لوگوں کے ہاتھ دیئے گئے جنھوں نے اسلام کے خلاف کام کرنے کا حلف اٹھایا۔

(۴) جن لوگوں نے دین کا علم حاصل کیا انہیں معاشرے میں نہایت حقیر نظر سے دیکھا گیا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہیں محض اس بناپر کہ وہ مسلمان تھے اور اللہ کے دین کے علم حاصل کرنے والے تھے اس نقال قوم اور اس کی حکومت دونوں نے حقارت کی نظر سے دیکھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان ذلت اور گمراہی کی گہرائیوں میں پڑا ہے۔ ہر مسلمان ملک کسی غیر مسلم کا محتاج ہے اور ان چیزوں کی قطعاً کوئی روک تھام نہیں کی گئی۔ یہ کام سوائے ان صالح نوجوانوں کے کوئی نہیں کرسکتا۔ جو ان اسباب کو دیکھیں اور سدباب کرنے کی کوشش کریں۔

قومی تشخص جب ذہن میں اجاگر ہو جائے اور قوم اپنی اعلیٰ روایات اور تہذیب وتمدن میں فخر محسوس کرے تو باقی اصولوں پہ عمل کرایا جاسکتا ہے۔

مغربی تہذیب نے ہمارے کردار اور ہمارے افعال کو گمراہ کرنے میں جو اقدام کئے ہیں۔ آئیے ذرا اس پہ غور کریں۔ سب سے پہلے ذرائع ابلاغ کا جائزہ لیں۔

(۱) ریڈیو پہر وقت کسی نہ کسی مغنیہ کی آواز سازوں کے ساتھ سنی جاتی ہے جو ایک مسلمان پر حرام کر دی گئی ہے۔ اور کسی دور میں ان آوازوں کو سننے والے کو بد معاش تصور کیا جاتا تھا اور جس کی اسلام میں سخت مخالفت ہے۔ اور آج ہر مسلمان کے گھر میں بآسانی سنائی دیتی ہے۔ ایک اسلامی ملک میں اس کا کیا جواز ہے؟

(۲) ٹی وی پر عورتوں کی ان واہیات لباسوں کے ساتھ نمائش یا عورت کا ہزاروں، لاکھوں مردوں کے سامنے گانا۔ ناچنا اور کھیل پیش کرنا۔ جب کہ عورت کو غیر محرم کے سامنے آنے سے اسلام نے روک دیا ہے نا محرم عورت کی طرف نامحرم مرد کی یا نامحرم عورت کی نظر پڑ جائے اسلام نظریں ہٹا لینے کا حکم دیتا ہے اور ادھر اتنی بے حیائی کے ساتھ جسم کی نمائش ایک اسلامی ملک میں ایسا کیوں ہے؟

(۳) اخبار جو ملک کا آئینہ دار ہوتے ہیں ہر دوسرے دن تو عورتوں کی نیم برہنہ تصاویر کے ساتھ مزین ایڈیشن اس ملک میں چھپنے کا کیا جواز ہے اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ آپ خود اندازہ لگائیں۔

(۴) ایک اسلامی ملک میں ایسی غیر ملکی فلمیں نقد ادائیگی سے کیوں حاصل کر کے ٹی وی پر چلائی جاتی ہیں۔ ایک بچہ پیسے کی خاطر ماں کو قتل کر دیتا ہے بہن کو ورغلاتا ہے اور نا جانے کیسے کیسے مکروہ کردار ادا کرتا ہے۔

(۵) مسجد میں چند صفیں نماز کے لیے اور ایک کنجری کا ناچ دیکھنے کے لیے سینما میں ہزاروں روپے کی ٹکیٹیں بلیک یہ کس ملک کا آئینہ دار ہے؟

سینماؤں میں نوجوانوں کو مولا جٹ، نظام لوہار بننے کی تلقین کی جاتی ہے۔ آخر کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔

(۶) تعلیمی اداروں میں محض غنڈہ گردی رہ گئی ہے۔ رشوت بازار گرم نوجوان ادب اور علم کی روشنی سے بے بہرہ ہیں۔ انہیں صرف لوٹ مار کرنے کا درس دیا جاتا ہے۔ جب کہ قوم کی مستقبل کے معمار صرف نوجوان نسل ہوتی ہے۔ انہیں اتنا بے علم و عمل کر دیا گیا ہے کہ ہمیں صلاح الدین اور نور الدین زنگی جیسے جرنیلوں کی حسرت ہی رہے گی۔ اساتذہ صرف ٹیوشن سے بنک بھرنے میں مگن ہیں کسی کو احساس ذمہ داری نہیں۔ قومی وقار کا کسی کو خیال نہیں۔ صبح ایسے بج دھج سے جاتے ہیں گویا تمام علم ہمارے ہاں سمٹ آیا ہے مگر نتائج دیکھ کر اپنے منہ پر خود تھپڑ مارنے کو جی چاہتا ہے یہ سب کیا ہے؟ کون سے عناصر اس کے ذمہ دار ہیں۔ ان برائیوں کو کچلنا اصل جہاد ہے۔

(۷) خدا کے لیے ہوش کے ناخن لیں وقت کی نزاکت کو دیکھیں اور علم و عمل سے قوم کی بگڑی ہوئی تقدیر کو سنوارنے کی کوشش کریں جس روز انڈین فلم آتی ہے بازار سر شام بند ہو جاتے ہیں اور انڈین فلموں کی آڑ میں ان کے مذہب کا پرچار پوری توجہ سے سنتے ہیں اور دوسرے دن ان کے بچے وہی الفاظ دہراتے سکول جاتے ہیں۔ ان کو اپنا کلمہ تک نہیں آتا۔ مگر ہندوانہ عبادت احسن طریقے سے کر سکتے ہیں۔

شب برات ہے مسلمانوں کی عبادت اور اللہ کے سامنے عاجزی کے

ساتھ حاضری کا دن ہے۔ مسلمان شب برات چھوڑ کر انڈین فلم دیکھ رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فراموش کر چکے ہیں۔ ذرا ہوش کے ناخن لیں۔ ہندو اور سکھ کی جارحیت کو مدنظر رکھیں۔

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو تباہ کر دینے پر تل گئے ہو کیا تمہیں یاد نہیں جب امرتسر جل رہا تھا۔ دہلی کے درو دیوار تمہارے شہدا کے خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ کلکتہ، لکھنو اور بمبئی میں ہماری ماؤں، بہنوں کی عصمتوں کو تار تار کر دیا گیا تھا۔ اس ہندوستان کی پوجا کرتے ہو۔ یہ مقام بے عزتی ہے اور بے عزتی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق کسی قوم کو نہیں دیا جا سکتا۔ دیکھو کہیں خدا تمہیں تباہ و برباد نہ کر دے روپے اور منافع خوری کی دوڑ چھوڑ دیں اور کوشش کریں کہ ہمارا ہر نوجوان محمد بن قاسم ہو اور ہماری نوجوان بیٹیاں فاطمۃ الزہرا کی صحیح کنیزائیں ثابت ہوں۔ بقولِ اقبال

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

زندگی کے ہر اس شعبے میں جہاں ہم پر کاری ضربیں لگائی جا رہی ہیں اور اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کی مکمل کوشش کی جا رہی ہے۔ ان کا مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے بلکہ یہ جہاد موجودہ دور میں اشد ضروری ہے اور اس جہاد کی کامیابی کی صورت میں ہم دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں اور ہمیں ہمارا کھویا ہوا مقام مل سکتا ہے۔ قوم کے ہر فرد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیئے اور کوشش کریں کہ غیر مسلم اگر میزائل بنا رہا ہے تو ہم ایسی

سائنسی ایجادات اختراع کریں کہ اس کا میزائل ناکام ہو جائے وہ تیز رفتار اور تباہ کن طیارے بنائیں تو ہمیں اس کے مقابلے میں اس سے خوبیوں والے طیارے بنانے چاہئیں لیکن یہ مقام مرگ ہے کہ وسائل مسلمانوں کے پاس ہیں مگر ان سے فائدہ غیر مسلم اٹھا رہا ہے اور جب اسلحہ خریدنا ہو تو مسلمان کافر کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ کیونکہ اس نے سامان تعیش اور عیاشی کی نئی نئی اقسام دے کر ہمارے ضمیر کا سودا کر لیا ہے۔ ہماری زندگیوں کا نصب العین صرف اور صرف شراب و شباب تک محدود کر دیا گیا ہے اس کے لیے معیشت کافر نے اپنے دائرہ اختیار میں رکھ لی ہے اور موجودہ مسلمان کو جو کہ بے حسی اور بے حیائی میں سبقت لے گیا ہے۔ وہ اپنی اس عیاشی، خود ساختہ عزت و جھوٹے وقار کی خاطر بڑے سے بڑا جرم کرنے سے باز نہیں آتا۔

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک یہودی مسلمان کا دشمن ہے اور یہودی کی مثال اس خنزیر کی ہے۔ جو اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے ہے۔ ہمارے قبلہ اول پر قابض ہے اور وہاں ہمارے فلسطینی بھائیوں کو ملک بدر کر دیا گیا ہے۔ وہ نہتے فلسطینی اپنے گھر بار، آزادی قبلۂ اول کے لیے تنہا جنگ لڑ رہے ہیں مسلمان ہر چوتھے روز ایک اجتماع میں اعلان جہاد کرتے ہیں مگر سامنے کوئی نہیں آتا بلکہ ہمارے مسلمان ممالک کے دولت مندوں کے شب و روز شراب و شباب سے مزین ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے؟ خدا اور رسولؐ کے ساتھ ایسا شرمناک کھیل کیوں کھیلا جا رہا ہے یا تو اپنے مسلمان

ہونے سے انکار کر دیں ورنہ ہمیں چاہیئے کہ ہم لفظ مسلمان کی دھجیاں فضائے بیکراں میں یوں نہ بکھیر دیں۔

کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جو ایک محنت کش اور غریب ملک کے کے لیے مارفیا کے انجکشن سے بھی بدتر ہے۔ جس روز میچ کھیلا جاتا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی مسلسل کمنٹری نشر کرتے ہیں اور یہ بارہ روزہ کھیل جتنے روز بھی جاری رہتا ہے۔ ہماری قوم کو کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ کالج کی حاضری پانچ فیصد اور سکولوں کی بیس فیصد سے زائد نہیں ہوتی اور اس کے بعد گھر کا ہر بچہ دو سال سے ۷۰ برس تک کے افراد اس گیم کو باقاعدگی سے اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ روپے کی فراوانی ہوتی ہے۔ مصروفیت کے لیے یہی بہت ہوتا ہے۔ نتیجہ ملک دن بدن تنزل کی گہرائیوں میں گرتا چلا جاتا ہے کیا اس کی روک تھام ضروری نہیں کیا آج تک کھلاڑیوں کو بھی کسی باضمیر قوم نے شخصیت تسلیم کیا ہے کیا کھیل کا میدان کارزار ہے؟

آپ ذرا اس طرف بھی دھیان دیں اور اصلاح کریں۔ دوپٹہ جو کبھی مسلمان عورت کی عظمت کا نشان تصوّر کیا جاتا تھا۔ آج محض گلے کے ہار کے طور پر تسلیم کیا جاتا۔ آپ روزانہ اخبارات میں جو کہ آپ کی نظری عیاشی کا مکمل سامان فراہم کرتے ہیں۔ دیکھیں کہ مسلمان خواتین نے انگریزی فیشن میں کتنی برتری حاصل کر لی ہے۔ کیا آپ مسلمان اور کافر عورت میں پہچان کر لیں گے۔ جب تک آپ کو بتایا نہ جائے؟ جواب دیں کیا اس میں جہاد کی ضرورت نہیں ہے؟

ایسے ٹی وی پروگرام یا فلمیں جن میں ایک حسینہ اپنے محبوب کے ساتھ اظہار

محبت کرتی ہے۔ اس کے سامنے ناچتی ہے۔ گاتی ہے۔ بے حیائی کے وہ مناظر پیش کرتی کہ باعزت آدمی اسے نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ جو اپنی جوان بیٹوں یا جوان بہنوں کے ساتھ یہ مناظر دیکھیں اور داد دیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ کیا ایسا کرنے سے بے عزتی و بے حیائی میں اضافہ نہیں ہوگا اور کیا ایک مسلمان یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ذرا سوچیں۔ ان دنوں ایک اور لعنت کا سامنا ہے اور کافر نے ایک اور کاری وار کیا ہے۔ وہ ہے ننگی فلموں کی آمد اور گھر گھر وی سی آر اور یہ وہ بیماری ہے کہ اس سے زیادہ مہلک اور مضر تفریح عوام کے لیے کیا ہو سکتی ہے مسلمان تو کیا وہ لوگ انسان کہلانے کے مستحق نہیں جو اس عیاشی کی طرف مائل ہیں جس کی ذلت کے دنیا میں الفاظ نظر نہیں آتے جہاں ذلت کی تمام ڈگریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہاں اس کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ دیکھنے والے قوم کے لیے کیا کریں گے۔ ایک اسلامی ملک میں اس لعنت کا کیا جواز ہے؟ اور یہ کہاں سے اور کیوں درآمد کی جا رہی ہیں۔ کیا عوام پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ بقول اقبالؒ

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

کیا علامہؒ کا شکوہ بجا نہیں ہے؟ اگر بجا ہے تو آؤ دیکھیں کہ وہ آج کے

مسلمان سے بیزار کیوں نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ محض یہ عیاشیاں ہیں اور جب تک ان تباہ کاریوں کو نہیں کچلا جاتا اس وقت تک ہم منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے جس فوج کی اپنی صفیں اور نظم و ضبط ہی درست نہ ہو۔ وہ جنگ کیا کرے گی۔ پہلے اپنی صفیں درست کریں۔ اپنے نظم و ضبط کو صحیح کریں اور پھر جنگ کریں۔ سب سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ مغربی تہذیب اور ہندووانہ تہذیب کے خلاف جنگ۔ اور مسلمان کو اس کے صحیح اصل مقام اور تہذیب سے آشنا کرنا ہے اور یہ اصل جہاد ہے۔ جب غلامی ترک ہو گی اور مسلمان اپنے تہذیب و تمدن اور درخشاں اصول اپنائے گا تو پھر علامہ اقبالؒ کا یہ مشورہ آئے گا۔

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا
برنگ بحر ساحل آشنا رہ
کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا

آج جن امراض سے قوم دو چار ہے۔ ان کا جائزہ لیتے جائیں۔ اور ان کے خلاف جہاد کریں۔ نمود و نمائش کے اس دور میں جب مسلمان اپنے ذاتی مفاد اور جھوٹی دھونس کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ تک کا احترام فراموش کر چکا ہے۔ اسے یاد دلایا جائے کہ وہ کیا تھا اور کہاں ہے اور اگر کوئی اسلام کی راہ میں اور تہذیب ملت کے نفاذ میں آڑے آئے تو اسے ناسور سمجھ کر راستے سے ہٹا دینا بھی عین جہاد ہے۔ پچھلے دنوں ایک محفل نعت میں شرکت کی۔ عوام بیچارے تو مودب بیٹھے تھے۔ سٹیج جو کہ حضور کی نعت

کے لیے مخصوص تھا۔ ایک سیاسی اکھاڑہ بن چکا تھا۔ نام نہاد وڈیرے کھڑے ہو کر روپے کی نمائش کر رہے تھے۔ نوٹوں کی گڈیاں کھول کھول کر عوام کے سامنے وہ نام نہاد وڈیرے روپوں کی فراوانی کا اظہار کر رہے تھے بظاہر وہ عاشق رسول ؐ کہلانے کے شائق افراد نہایت مکروہ کردار۔ بیلیکے مگر "نخفر" بننے کے لیے ان جگہوں کا سہارا لیتے ہیں۔ ایسے افراد کا قلع قمع کرنا بھی عین جہاد ہے

تیرے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
تیرا دم گرمی محفل نہیں ہے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

مولوی کو لیں اس کے زبان و کردار میں کتنا تضاد ہے۔ پیشہ ور مولوی جس نے کہ اسلام کو محض ایک پیشہ بنا رکھا ہے۔ اور جو صدقِ دل سے اسلام کو میرے خیال میں تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی نظر ہر آنے جانے والے نمازی یا مقتدی کی جیب پر ہوتی ہے اور جس کو "بھیک" مانگتے ہوئے اور "نذرانہ" ملنے پر کیا وڈیرے کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے قطعاً شرم نہیں آتی رسوم کے دامن میں ایک بدنما داغ ہیں۔ اس کے جھگڑوں نے اور اس کی ہٹ دھرمی نے ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ اور جس کا کام ہر دو پرامن ساتھیوں کو نہایت "روشن ضمیری" سے آپس میں لڑا دینا ہے اور جس کی تباہ کاریوں سے تاریخِ اسلام بھری پڑی ہے۔ اسی مولوی نے مسجد کو اپنی ذاتی جاگیر بنا رکھا ہے اور اسلام کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، سیدنا غوثِ اعظمؒ یہ سب مجاہدین اسلام تھے۔ مولوی نہیں تھے۔ یہ حضرات دین کے بے لوث مبلغ تھے۔ اور اپنی اپنی اولوالعزمی کے باعثِ کفر سے ٹکرا جاتے تھے چونکہ یہ پوری طرح خلوصِ نیت سے دین کی تبلیغ کرتے تھے اس لیے تائید خداوندی بھی ان کو حاصل ہوتی تھی۔ بقولِ علامہ

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

انما الاعمال بالنیات کے مصداق نیتوں میں فرق ہے۔ ورنہ آج کا مولوی بھی وہی لفظ دہراتا ہے اثر کیوں نہیں ہوتا کہ وہ یہ الفاظ خلوصِ نیت سے نہیں کہتا۔ بقولِ اقبالؒ

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

ایسے پیشہ ور مولویوں کی بیخ کنی بھی عین جہاد ہے۔ میں ایسے مولویوں کو جانتا ہوں، جو اسٹیج پر لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں۔ فلمیں دیکھتے ہیں اور ہر قسم کی عیاشی کرتے ہیں اور دین میں فرقہ بازی جن کی زندگی کا مقصد ہے بقولِ اقبالؒ

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرت ملّا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے الٰہی میری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت

نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقوال
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزیٔ اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

ہماری قوم نے آزادی کی تحریک میں جو قربانیاں دی ہیں۔ ان کے الفاظ تاریخ میں سُرخ خون سے تحریر کیے گئے ہیں۔ جب ظلم کی آندھیوں اور مسلمانوں کے بے دریغ قتلِ عام میں ہمارے محبوب لیڈر محمد علی جناحؒ نے قیامِ پاکستان کا اعلان کیا اور قربانیاں رنگ لائیں۔ مسلمانوں کے چہرے دمک اٹھے۔ فضا پاکستان کا مطلب کیا

لا الٰہ الا اللہ کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی اور ہر طرف مبارک سلامت کی شہنائیاں بجنے لگیں۔ مسلمانوں کو اپنی منزل نزدیک نظر آئی۔ منزل کا مقام مل چکا تھا یعنی پاکستان۔ اور منزل کے منتظر تھے یعنی اسلامی قانون۔ جناب محمد علی جناحؒ جو کہ انتھک محنت کے بعد ویسے ہی کمزور ہو چکے تھے اور جن کی زندگی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ اسلامی آئین کے اعلان کو مکمل نافذ کر سکتے۔ اس کے بعد آج تک اسلامی قانون کا خواب تشنۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ہاں البتہ مسلمان اس قربانی کو فراموش کر چکا ہے۔ جس فرنگی نے ہمارے ہندوستان میں ڈاکہ ڈال کر حکومتِ اسلامی کی جڑیں اکھیڑ دیں تھیں اور جس نے ڈیڑھ سو سال مسلمان کا خونِ ناحق بہایا اور جس کے مظالم سن کر تاریخ کے اوراق کانپنے لگتے ہیں۔ آج مسلمان

پھر پوری طرح اس کے آغوش میں بیٹھا فخر محسوس کرتا ہے۔ وہ عیاشی کی نئی نئی رنگین چیزیں بنا کر ہمیں تسخیر کر چکا ہے۔ اور مسلمان اپنی خودی کھو بیٹھا ہے

کسے نہیں تمنائے سروری لیکن

خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے ؟

اور ذرا خانقاہوں کا جائزہ لیں۔

ع محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔

ملنگ اور جادو ٹوٹکے والے جھوٹے پیروں کو ذرا دیکھیں۔ موت و حیات کے بارے میں مسلمان کا نظریہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو بتوں کے ساتھ ہوتا تھا وہی آج پیرانِ عظام کے ساتھ ہوتا ہے پیر اپنے آپ کو موت و حیات، رزق اور جنت کا مالک ہونے کا تصور دے کر عوام کی جیب خالی کرا لیتا ہے اور انہیں ایسا تسخیر کرتا ہے کہ مرید بیچارہ نہ صرف روپیہ دیتا ہے بلکہ بعض اوقات عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ان کے طریقہ واردات کی الگ داستان ہے۔ جس سے سن کر قاری ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور خاموش ہو کر پاگلوں کی طرح معاشرے کو گھورنے لگتا ہے۔ اور بعض اوقات بے چارہ حواس کھو بیٹھتا ہے۔ ان کے طریقہ واردات پر الگ کتاب کی تالیف کی ضرورت ہے! جب کبھی موقعہ ملا تو نہایت تفصیل سے عرض کروں گا۔ تاکہ بے چارے عوام ان کے جھانسوں میں نہ آئیں۔ پیر نے اپنے مریدوں اور حواریوں کو ملا کر ان کے اعتقادات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ایسا جال بن رکھا ہوتا ہے کہ ابلیس بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ بیچارہ ان میں پھنس

جاتا ہے۔ وہ ہندو بنیے کی طرح پشت در پشت اس ہی گھرا رہتا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔ ایسے جھوٹے پیروں کے بارے میں:۔

مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
ہیں زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

حکمران طبقہ بھی صرف آج تک صاحب اثر لوگوں کو نوازتا آیا ہے۔ مجرم ہوں تو شریف۔ ظلم کریں تو انصاف کہلائے۔ کسی کا حق چھین لیں تو غریب کو ہی الٹا کوسا جائے اور بات کریں تو سچی خواہ وہ سو فیصد جھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ اپنی ایک الگ دنیا بنائے ہوئے ہیں۔ جن میں صرف روپے پیسے کی داستان ہے۔ جن کو اپنے ملک و مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اپنے ملک کو اپنے مفاد کے لیے داؤ پر لگا دیتے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ یہ لوگ جن کے نزدیک انسانیت اور حیوانیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور پھر باعزت لوگ بھی یہی کہلاتے ہیں۔ کسی کی عزت کو عزت تسلیم نہیں کرتے۔ کسی کی نوجوان بیٹی کی آبرو ریزی کرتے ہوئے انہیں ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ یہ لوگ دنیا کو اپنی ملکیت تصور کرتے ہیں اور اپنی عزت کو عزت اور اپنی تکلیف کو تکلیف جانتے ہیں۔ اس سے زیادہ یہ ہے اس رنگین خول سے باہر نہیں آتے۔ جس میں صرف شراب و شباب کی داستانیں رقم ہوتی ہیں۔ پھر بھی لوگ انہیں باعزت تصور کرتے ہیں۔

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

ایسے افراد کا قلع قمع کرنا اور ان کو ان کے مکروہ عزائم سے باز رکھنا ہی بس جہاد ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ:۔

(۱) قوم کو عیاشی سے روکا جائے۔

(۲) کاروں کا استعمال بند کیا جائے تاکہ پٹرول جس پر بجٹ کا انحصار ہوتا ہے کم سے کم خرچ ہو اور ملک خوشحالی کے راستے پر گامزن ہو سکے۔

(۳) سب بسوں پر سوار ہوں۔

(۴) زمینوں کے ریٹ سستے مقرر کیے جائیں تاکہ غریب آدمی آسانی سے مکان بنائے اور جرائم سے باز رہے۔

(۵) سینما ختم کر دیئے جائیں۔

(۶) ٹی وی سے فضول ڈراموں اور عورت کا وجود ہٹا دیا جائے۔

(۷) وی سی آر رکھنے والوں کو گولی مار دی جائے۔

(۸) اسلامی قوانین مکمل طور پر نافذ کر دیئے جائیں۔

(۹) مزاروں سے ملنگوں اور موقعہ شناسوں کو ہٹا دیا جائے۔

(۱۰) ملک میں اندرون خانہ یا بیرون ہر قسم کی غیر اخلاقی ریکارڈنگ بند کر دی جائے۔

(۱۱) ریکارڈنگ کرنے والے کو عبرتناک سزا دی جائے۔

(۱۲) مغربی لباس پر پابندی عائد کر دی جائے۔

(۱۳) تعلیمی اداروں میں تعلیم میں رکاوٹ بننے والے افراد کو خواہ کسی طبقے سے ہوں عبرتناک سزا دی جائے۔

(۱۴) نماز میں پابندی کروائی جائے۔

(۱۵) ایک سے زیادہ مکان بنانے اور دولت کی نمائش کرنے پر پابندی لگائی جائے۔

(۱۶) سائنسی تعلیمات پر زور دیا جائے تاکہ مسلمان طلباء میں موجد اور اعلیٰ دماغ پیدا ہوں اور ملک آزادی اور خود کفالت کی راہ پر گامزن ہوں۔

(۱۷) اسلامی تہذیب، تمدن اور قوانین سے انحراف کرنے والوں کو سرعام گولی مار دی جائے۔

(۱۸) ملاوٹ کرنے والوں، منشیات کا کاروبار کرنے والوں اور منافع خوروں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ تاکہ معاشرہ صاف ہو۔

(۱۹) عورت، کے بے پردہ باہر نکلنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔

(۲۰) نوجوان طلباء اور طالبات کے درمیان رابطہ کے تمام مواقع ختم کر دیئے جائیں۔ اور طالبات کو باپردہ آنے کی ہدایت کی جائے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰہ اِلّا اللہ

# خود چلیں دیدۂ اغیار کو بینا کریں

محمد امیر السلام - کراچی

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ

اور تم جہاد کی تیاری رکھو۔ جتنی بھی تم میں طاقت اور ہمت ہے۔

قرآنِ حکیم کی یہ آیتِ مبارکہ آج کے مردِ مومن کے لیے ایک چیلنج ہے۔ زندگی ایک ذوقِ مزاج کا نام ہے، دیوی کے اورش کے لیے بھینٹ دینی پڑتی ہے۔ جوئے شیر کے حصول کے لیے تیشہ زنی کرنی پڑتی ہے۔ گل تک پہنچنے کے لیے کانٹوں میں ہاتھ دینا پڑتا ہے۔ دل جیتنے کے لیے رقصِ بسمل کرنا پڑتا ہے۔ شمع کے حصول کے لیے پروانہ بن کر مرنا پڑتا ہے۔ اسی جہد و کاوش ہتگ و تاز اور سعیٔ پیہم کا نام زندگی ہے۔ یہ کوئی کہکشاں نہیں سبک روش غالیچہ نہیں اس پر چلنے والوں کے پاؤں فگار ہو جاتے ہیں اور ان میں سے رسنے والا لہو دہ روح کی عظمت کی داستان رقم کرتا جاتا ہے۔ آنے والوں کے دل میں بھی ذوقِ حیات پیدا کرتا ہے اور ہمسفروں کی نجات کا باعث بنتا ہے اور درحقیقت مومن وہی ہے جس کے قدم ان خار دار سنگلاخ راہوں پر ذرّہ برابر نہیں ڈگمگاتے عشقِ حقیقی کی تپش اور ذوقِ حیات کی گرمی اس کا حوصلہ ہوتی ہے۔ علی اللہ اس کا زادِ راہ اور خدا اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ باطل اور طاغوتی قوتوں کا خاتمہ اس کا مشن ہوتا ہے۔ حق، عدل اور اسلام کی سربلندی اس کا نصب العین ہوتی ہے۔ درحقیقت اسی راہ پر

ثابت قدمی سے چلنے کو جہاد کہتے ہیں۔ حسین سرابوں کی دلفریبی سے مسحور نہ ہونے کا نام جہاد ہے۔ جہاد کا مطلب ہے۔ ایثار و قربانی، اب تک تگ و تاز، عمل راسخ اور سعیِ پیہم اس کا مقصد اس خراج کی ادائیگی ہے جو زندگی ہم سے طلب کر رہی ہے اور آج تو یہ صدا کچھ زیادہ ہی بلند و بانگ سنائی دیتی ہے۔ در و دیوار کسی دیدہ ور کی آمد کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وادیٔ پر خار بے چینی سے کسی آبلہ پا کی منتظر ہے

ے فضاؤں میں آتی ہے یہ صدائے سومنات

غزنی سے پھر کوئی الیاغزنوی پیدا کرو

اور فی الواقعہ آج کے معاشرہ کو ایسے مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ جو نجات دہندہ ہوں لیکن مفاد پرست نہ ہوں۔ بت شکن ہوں بت فروش نہ ہوں۔ جن کا ایمان ابراہیمی، نظر کلیمی، اعجاز مسیحائی ہو۔ جو باطل سے حق کا دنیا سے دین کا سودا نہ کریں۔ دل کو ہوس وجاہ کا شیوانہ کریں۔ جو حلقۂ آفاق میں گرمیِ محفل ہوں۔ رزم گاہِ حق و باطل میں صورتِ فولاد ہوں۔ جو اس بزم گہِ عالم میں

ع خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کریں۔

آج جب کہ اس عالمِ رنگ و بو کی رنگینیاں اور بوالعجبیاں حد سے سوا ہو چکی ہیں۔ ایسے مجاہدوں کی ضرورت ہے کہ وہ آئیں اور دنیا کو گناہ و معصیت کے اس سیلاب سے نجات دلائیں۔ لیکن اس کام کو کرنے سے پہلے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ دشمنانِ اسلام جب کھُل کر اسلام کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہے تو انھوں نے آستین کے سانپ کا روپ دھارا اور دائرہِ اسلام میں داخل ہو کر منافقت، شکوک وشبہات اور غیر یقینی کے بیج بونا شروع کیے۔ جب تک اسلام مرکزی طور پر مستحکم رہا۔ یہ سازشیں جڑ نہ پکڑ سکیں۔ لیکن خلافتِ راشدہ کے آخر ایام ہی سے اِن منافقین کی سرگرمیاں بڑھ گیئں۔ دورِ اولیٰ میں یہ معاملہ عبداللہؓ بن ابی اور مسجدِ ضرار تک محدود تھا لیکن اب بڑھ کر اس نے خوارج، سبائیوں اور شیعانِ علیؓ کا روپ دھارا، ان تحریکوں کو ایرانیوں کے عجمی اعتقادات نے ہوا دی۔ نئے نئے مسائل کھڑے ہوئے، مذہبی کتب میں چوری چھپے ردّو بدل کیا گیا۔ جھوٹی حدیثیں روایت کی گیئں۔ قرآنی آیات کی بعید از فہم تشریحات کر دی گیئں۔ نئے نئے نظریات اختراع کیے گئے۔ فلسفیانہ یا یونانی خیالات مذہب میں داخل کیے گئے اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ خلقِ قرآن کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ خلفا بھی صراطِ مستقیم سے بہکنے لگے لیکن پھر بھلا ہو اُس مردِ خدا احمد ابنِ حنبلؒ کا کہ جنھوں نے اپنی جان کی قربانی دے کر ان غلط تحریکات کو کسی حد تک روکا۔ لیکن آج پھر وہی صورتحال ہے لادینیت زور پکڑ رہی ہے۔ اسلام میں غیر اسلامی تصورات، نظریات اور رسوم کی آمیزش نے بڑی حد تک دینِ فطرت کے اصل مقصد کو فوت کر دیا ہے۔ ضرورت ہے جہاد کی کہ اسلام کو اس کی اصل شکل دی جائے کہ وہ عالمِ انسانیت کے لیے مینارۂ ضیاء خضرِ راہ بن سکے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے ہر حکم ہر ہدایت کے پیچھے کوئی نہ کوئی خاص مقصد کار فرما ہے۔ اگر اس کے بنیادی ارکین و عبادات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں ایک قدرِ مشترک ہے اور وہ ہے جہاد۔ اسلام کا تمام تر فلسفۂ جہاد ہی پر مبنی ہے۔ نماز پنجگانہ دن بھر یہ احساس دلاتی ہے کہ ہمارا تن، دھن، من سب کچھ خدا کی امانت ہے اور یہی فرق ہے۔ حدِّ فاصل ہے۔ ہٹلر اور خالد بن ولید کے جہاد اور کاوش کے درمیان غیر مسلم دنیا کی بھلائی کے لیے جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ جہاد کے قریب تر تو ہے لیکن جہاد نہیں کیونکہ مجاہد کے لیے یہ ضروری ہے۔ کو موت کو بھی ایک مقامِ حیات جانے، زندگی کو خدا کی امانت گردانے اور یہی کنجی ہے کامیابی کی۔ امپیریل ازم، فاشزم، سوشلزم۔ کمیونزم، ہیٹلرزم سب ناکام رہے لیکن اب اسلام کی باری ہے۔

ع     آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا پھر کسی کو کسی کا امتحاں مقصود ہے

یہ تو تھا نماز کا مقام اسلام کے فلسفۂ جہاد میں زکوٰۃ تو بذاتِ خود جہاد ہے۔ روزہ نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کا مکمل نمونہ ہے اور حج تو خیر ہے ہی جہادِ فی سبیل اللہ، چنانچہ ثابت ہوا کہ ان تمام احکامات و عبادات کی حیثیت ایک تربیتی کورس کی سی ہے کہ جو مومن کو ہمہ وقت جہاد کے لیے تیار رکھیں۔ اگر آج کے دور میں ضرورتِ جہاد نہ ہوتی تو یہ چیز اسلام سے بعید ہے کہ بلاوجہ ان تربیتی

کورس کا اہتمام کیا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ جہاد کی ضرورت ہر زمانہ میں ہر معاشرہ کو، ہر قوم کو رہی ہے۔ رہی گی اور ہے!

حضورِ اکرمؐ نے جہاد کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) دشمنانِ دین کا مقابلہ

(۲) اپنے نفس کی خواہشات بیجا اور شیطان کا مقابلہ

## دشمنانِ دین کا مقابلہ

اس ضمن میں بحث پہلے بھی گزر چکی ہے۔ آج اسلام اور مسلمانوں کو جو خطرات درپیش ہیں، ان کی نوعیت انتہائی سنگین اور فوری توجہ کی مستحق ہے۔ ہر قسم کی شخصی آزادیوں اور انسانی حقوق کو سلب کیا جا رہا ہے غاصبانہ اجارہ داری اور عدم مساوات کے ذریعہ انسانی اقدار کو کچلا جا رہا ہے۔ اریٹیریا کے مسلمانوں پہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ فلپائنی مسلمانوں پر جو کچھ بیت رہی ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے اور پھر کشمیریوں کا سلبِ آزادی فلسطینیوں کا حال بھارتی مسلمانوں پہ ظلم و تشدد یہ سب وہ مسائل ہیں جن کا حل صرف اور صرف جہاد ہے!

## اپنے نفس کی خواہشات بیجا اور شیطان کا مقابلہ

یہی دراصل روحِ جہاد ہے، تمام اعمال و عبادات کا نفس ہے اور اسی میں دین و آخرت کی بہتری و بھلائی کا راز مضمر ہے۔ انسان جو کچھ دیکھتا ہے۔ سنتا ہے کرتا ہے۔ اس میں نفسانی خواہشات کا بہت بڑا دخل ہے۔ اگر انسان نفسِ عمارہ کی آواز پر کان نہ دھرے تو اس کے تمام

اعمال کی روح پاک اور مقصد بلند ہو جاتا ہے۔ دل کا کام تو ہے ہی ترغیب دلانا لیکن شعور و ادراک کا کام اس ترغیب کے خلاف جہاد ہے۔ اگر ہم اس جہاد میں کامیاب ہو جائیں تو زندگی کی شکل ہی بدل جائے نہ لالچ رہے گی نہ خود غرضی اور نہ حرص و طمع۔ معاشرہ تمام برائیوں سے پاک ہو جائے گا اور مزید جہاد کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔ اگر اقوامِ عالم اسی اصول پر عمل کریں، اپنے مصنوعی اور قطعی بیکار قوانین و ضوابط کے بجائے صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد بالنفس کو اپنا چارٹر بنا لیں تو دنیا سے فتنہ و فساد، جدال و قتال اور باہمی چپقلش یکدم ختم ہو جائے گی۔ اور جارحیت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ لیکن افسوس، صد افسوس کہ ہنوز دلی دور است کے مصداق

س دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو جگایا

آج کے تڑپتے، سسکتے اور اخلاقی طور پر مردہ معاشرہ کو ایسے مجاہدوں کی ضرورت ہے جو آئیں اور دنیا کو گناہ و معصیت کی اس دلدل سے نکالیں۔ جہاں انسان کی نفس پرستی نے اسے پہنچا دیا ہے۔ وہ آئیں اور انسانیت کے تنِ مردہ میں حیاتِ نو کی لہر دوڑا دیں۔ ظلم، گناہ و جہالت کو اس دنیا سے دیس نکالا دیں۔ اِن معاشرتی اقدار کو ختم کر دیں۔ جنہوں نے زندگی کو موت سے بدتر بنا دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایں کارِ محال است کیونکہ ایسی تمام کوششوں کو باطل اور طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

شیطانی مکر و فریب کے سامنے سینہ سپر ہونا پڑے گا۔ اپنوں اور پرائوں کی مخالفت سہنا پڑے گی اور بہ لحاظ رتبہ یہ مجاہدین ہر گز غازیانِ بدر و حنین سے کم نہ ہوں گے۔

قرونِ اولیٰ کے اس معاشرہ میں صرف قمار بازی تھی لیکن آج گھڑ دوڑ ROULETTE، FLUSH، قمار بازی کی ہزاروں قسمیں ہیں۔ اس دور میں صرف شراب تھی لیکن آج چرس، افیون، بھنگ، (L.S.D، MARIJUANA) سب کچھ موجود ہیں اور پھر ام الخبائث کی بھی ہزاروں قسمیں۔ مغرب کے کسی شہر میں کسی گلی میں نکل جائیں۔ شراب کی دوکان ضرور ملے گی۔ اس زمانہ میں صرف مٹی کے بُت پوجے جاتے تھے لیکن ان سے کہیں زیادہ طاقتور چیز پیسہ کو پوجا جاتا ہے۔ ان کفّار کے دماغ میں خدا کا کچھ نہ کچھ تصور تھا لیکن آج کے مغرب کا نوجوان خدا کو OLD TIME یا فرسودہ دیو مائی کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتا ہے، (MYTH) ڈزنی لینڈ تو امریکہ میں صرف ایک ہے لیکن ہپی لینڈ ہر بڑے شہر میں موجود!

آیئے! آیئے! آج صدقِ دل سے عہد کریں کہ ہم بھی ظلم کے خلاف استبداد کے خلاف، باطل کے خلاف، حق کی سربلندی کے لیے اسلام کے فروغ کے لیے عدل و مساوات کے قیام کے لیے وہ سب کچھ کریں جس کی خدا نے ہمیں توفیق دی ہے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم بھی اپنا نام مجاہدین بدر و حنین کے ساتھ لکھوانے کا حق ادا کریں گے۔ شعارِ شبیر و حیدر اپنائیں گے۔ معاذ و معوذ بن کر دکھائیں گے۔ امام حنبلؒ کی روایت

تابندہ کو زندہ کریں گے۔ ہم اس لہو کی دیت لیں گے جس نے چمن اسلام سینچا، زندگی کا خراج ادا کریں گے۔ صفحۂ ہستی سے باطل کو مٹا کر دم لیں گے۔

# نظریۂ جہاد

مجید ثاقب۔ لاہور۔

آج مجھے ایک منفرد اور جامع عنوان پر قلم کشائی کا موقع مل رہا ہے اس سے قبل میں اس قسم کے عنوانات پر مقالہ لکھنے کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا اور میں آج تک صرف سیرت النبیؐ پر ہی مقالات لکھتا رہا ہوں۔ لیکن آج اس عنوان پر اس لیے مقالہ لکھ رہا ہوں کیونکہ مجھے اس عنوان میں ایک کشش محسوس ہوئی اس کے علاوہ مقابلہ منعقد کروانے والی تنظیم کے نام "الجہاد ۱۴۱۳" کے الفاظ سے مجھے اتنی خوشی محسوس ہوئی کہ میں اس عنوان پر بغیر سوچے سمجھے لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ نظریۂ کائنات کو اگر ہم پرکھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ ولادت آدم سے لے کر ولادت آنحضرت محمد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اور ولادت آنحضرت صلعم سے لے کر آج تک جہاد کا نظریہ سب سے پیش پیش رہا ہے۔ اس وقت تو میں صرف آنحضرت صلعم سے لے کر آج تک کے حالات کے ساتھ جہاد کی اہمیت کو واضح کروں گا۔ کیونکہ اگر ہم قبل سنِ نبویؐ کی طرف لوٹیں تو پھر بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ یہاں میں اس اصولی حقیقت کو اجمالاً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاد کسی بھی ریاست کا ویسا ہی طبعی وظیفہ ہے۔ جیسا کہ انسداد جرائم کے لیے پولیس اور عدالت کا انتظام اس کا فطری عمل ہے لیکن ایک نو میز ریاست ایک نوتشکیل یافتہ معاشرہ اور اپنے زمانہ کی ابتدا کرنے والا ایک نظام تو قطعی طور پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ عین اپنی بقاء اور نشوونما کے لیے

ایک سنگین دورِ جہاد گزارے خصوصاً جب کوئی جدید ہیئت اجتماعیہ کسی انقلابی نظریے پر اٹھی ہو۔ تو اس کے مقابلے میں لازماً قدیم انقلاب دشمن طاقتیں صف بستہ ہو کے آتی ہیں ایسی انقلاب دشمن طاقتوں کے مقابلہ میں محض دفاع ہی کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو تہس نہس کئے بغیر یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ کوئی انقلاب اپنی موجودہ حدود اور معیار پر بھی قائم رہ سکے۔ سو اسلامی نظریہ جہاں تک نہیں جاتا کہ کوئی حملہ کرے تو چاروناچار اس کا سامنا کر لیا جائے بلکہ وہ یہ رہنمائی دیتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے داعی ایک طرف اپنی ریاست کے موجودہ وجود کے ایک ایک ذرّے کو بچا رکھنے کے لیے بوقتِ ضرورت جان و مال کی قربانیاں دیں۔ دوسری طرف لاکھوں بندگانِ خدا کو ظلم، جہالت، معاشی خستہ حالی، اور اخلاقی پستی سے نکالنے اور انقلاب کی تکمیل کرنے کے لیے انقلاب دشمن طاقتوں کی سرکوبی کے لیے بھی جہاد کریں۔ اس کے علاوہ کسی انقلابی نظریہ پر استوار ہونے والی ریاست کے لیے کوئی چارہ نہیں ہے یہاں میں ایک شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے یہ ضروری وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اصلاح و تعمیر کا کوئی بھی کام کسی بھی دائرے میں کیجئے۔ اس کے لیے کسی نہ کسی نوع سے قوت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کی بہتری کے لیے اور حکومتیں باشندوں کی بہتری کے لیے دلیل، نصیحت اور تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ قوت سے کام لیتی ہے اسی طرح اصلاحی و تعمیری انقلابوں کے علمبردار بھی کسی نہ کسی حد تک قوت کے استعمال پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ عرب کے جاہلی

دور میں قبائلی نظام کی جو کچھ بھی شکل کارفرما تھی اور عوام اس کے تحت جس حالت میں بھی پڑے رہے اسے بدلنے کا کسی کو استحقاق ہی کیا تھا؟ اصلاح و تعمیر کے لیے کوئی انقلاب اٹھانا اور پھر اس کی تکمیل چاہنا اور اس سلسلے میں قوت سے کام لینا سرے سے جائز ہی کیوں مانا جائے۔ اس اعتراض اگر کوئی وقعت دی جائے تو پھر کسی باپ اور ماں کو آپ آخر سے حق کس بناء پر دیں گے کہ وہ شہریوں کو بعض اعمال سے روکے اور بعض کے کرنے پر قوت سے مجبور کرے۔ وہ جہالت گندگی، بداخلاقی، کے خلاف اصلاحی تدابیر عمل میں لائے اور جو قوت بھی ان تدابیر میں مزاحم ہو اس کے مزاحمت ختم کر دے؟ اصلاح و تعمیر کا کوئی کام کسی دائرے میں ممکن التصور نہیں ہے۔ جس میں کوئی مزاحمت نہ ہو۔ اور اس مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے قوت سے کام نہ لینا پڑے۔ آپ اگر مزاحم طاقتوں کو کھلی چھٹی دے دیتے ہیں۔ تو سرے سے کسی اصلاح و تعمیر کا کام ممکن نہیں ہے اصلاح و تعمیر کے ہر اقدام کے حق میں خود فطرت انسانی اپنی پوری قوت سے موجود رہتی ہے۔ پس ایک قوم یا ملک کو پستی سے نکال کر فلاح کی راہ پر ڈالنے کے لیے جب کوئی تعمیری انقلاب نمودار ہوتا ہے تو انسانی فطرت ہی اس کے حق میں سب سے بڑی دلیل بنتی ہے اور یہی دلیل رائے عامہ کو اس کے حق میں ہموار کرتی ہے۔ رہا یہ امر کہ فطرتِ انسانی کے داعیات چونکہ ابہام کے دھند کے میں ہونے کی وجہ سے واضح نہیں ہوتے ہیں۔ یہ وہ قطعی معیار کیا ہے۔ جو بتائے کہ کوئی انقلابِ تعمیری و اصلاحی ہے۔ نہیں تو اس

کے جواب میں محسنِ انسانیت صلعم کی دی ہو آئیڈیالوجی (Ideology) خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعے تعمیر وفلاح کے راستے کی نشاندہی کس طرف کی ہے۔ عرب کو مزاج کی حالت سے منظم سلطنت کی بلندی پر لانا قبائلی ٹکڑیوں کو جوڑ کر ایک سیاسی وحدت بنانا۔ لاکھوں باشندوں کو علم و اخلاق سے آراستہ کرنا اور انہیں امن و انصاف کا ایک نیا دور عطا کرنا۔ ایک ایسا مقدس کارنامہ ہے کہ اگر اس کے لیے قوت کا استعمال روا نہیں تو پھر سرے سے انسانی تاریخ میں قوت کے استعمال کا کوئی بھی مقام باقی نہیں رہ جاتا۔ اسی کوشش کو جہاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بس جہاد کی چھوٹی سی تعریف (Definition) یہی ہے کہ ایسا راستہ جس پہ چل کر کسی قوم کی فلاح و بہبود، امن و سلامتی" اور علم و اخلاق کو بلند کرنا ہوتا ہے۔ جہاد کا راستہ کہلاتا ہے۔ میں عظیم جہاد یعنی اسلام کے معرض وجود میں آنے اور اسلام کی تعلیم و تبلیغ اور نشر و اشاعت میں جہاد کے حصے پہ بحث کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد میں اس دور کو آج کے دور سے موازنہ کرنے کے بعد آج کے دور میں جہاد کی اہمیت پر روشنی ڈالوں گا

جہاد میں قوت کے استعمال کے موضوع پر ایک نہایت غلط بحث نہایت غلط ذہنیت کے ساتھ اہل مغرب کی طرف سے اٹھائی گئی اور پھر خود ناشناس مسلمانوں کا فرنگیت زدہ عنصر بھی پریشان خیالی میں مبتلا معترضین نے ریاست مدینہ کی جنگی کارروائیوں کو یہ معنی پہنائے کہ گویا ایک مذہب کو جبراً لوگوں پر ٹھونسنے کے لیے تلوار استعمال کی گئی۔ حالانکہ معاملہ صرف ایک مذہب کا نہ تھا۔ ایک انقلابی تحریک کا تھا جس نے جان دار کی بیش بہا قربانیوں

کے بل پر انسانیت کی تعمیر نو کے کام کا آغاز کیا تھا اور مفاد پرست انقلاب دشمن طاقتیں اس کی تکمیل سے پہلے ہی اسے ملیامیٹ کر دینا چاہتی تھیں۔ یہ معاملہ ایک ریاست کا تھا۔ جس کی بنیاد ڈالنے کے لیے اس کے معماروں نے تیرہ برس تک انتہائی مظالم سہنے کے بعد گھر بار سب لٹوا دیئے تھے اور بالکل بے وطن ہو کر اور تہی دست ہو کر انہوں نے اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے خطہ میں سمیٹ لیا تھا۔ جہاں وہ اپنی پسند کے نظام زندگی کے سائے میں زندگیاں گزار سکیں اور جہاں سے وہ سارے جہاں کو امن و سلامتی کا راستہ دکھا سکیں۔

یہ نیا زریں باب جو تاریخ میں کھولا جا رہا تھا اسے مدینہ کے یہودی اور منافق ایک طرف اور مکہ کے قریش اور ان کے حمائتی دوسری طرف اور بعد کے دور میں بعض اور بڑے بڑے بیرونی حکمران تیسری طرف تکمیل سے قبل ہی بند کر دینا چاہتے تھے اور مسلم انقلابیوں کو اس کا موقع ہی نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ اس کے اوراق پہ زندگی کی تقدیر نو کو منقش کر سکیں۔ مذہب اسلامی تحریک کا ایک اہم جزو ضرور تھا لیکن اس کے ساتھ بہت سے اجزاء نے مل کر اسلامی تحریک کا وجود پایا تھا۔ چنانچہ مدینہ کی ریاست نے مذہب کے محدود دائرے میں غیر مسلم عناصر کو پوری طرح آزادی کی ضمانت فراہم کی۔ انہوں نے مذہب کے لیے نہیں بلکہ تحریک اور دین اور اسلامی ریاست کے تحت تلوار ہاتھ میں لی تھی۔ ان کا اصل مسئلہ اپنی اسی مقدس سیاسی ہیئت کے بقاء اور نشوونما کا تھا۔ جو سارے

عرب اور بادی نوعِ انسانی کے لیے باعثِ فلاح تھی۔ ان کا وسیع ترین دائرہ کشمکش سیاسی تھا اور وہ خدا پرستانہ اخلاق کی بنیادوں پر سیاست کاری کا ایک نیا تجربہ حاصل کر چکے تھے جس کو قریش اور یہود اور بدوی قبائل فوری طور پر ناکام بنا دینے کے لیے مضطرب تھے۔ اس صورتِحال میں یہ لایعنی بحث پیدا ہی کہاں ہوتی ہے کہ حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے تبلیغ کے لیے تلوار استعمال کی تھی یا نہیں؟ یہ سوال ہی کیسے اٹھتا ہے کہ جنگی کارروائیاں دفاعی تھیں یا جارحانہ؟ اگر ہم مدینہ کی اسلامی ریاست جو چوطرفہ خطروں میں گھرے ہوئے نظامِ نو کا تحفظ اور بعض جان لیوا اور فنائی قوتوں کا انسداد کرنے کے لیے نیز وحدت، نظم، امن، سلامتی، عدل آزادی اور جمہوریت کی نعمتوں سے خود اپنے ہی ملک کو مالامال کرنے کے لیے بالکل بے لوث جدوجہد کرتی ہے تو اس کے خلاف چارج شیٹ مرتب کرنے اور مقدمہ ثابت کرنے کے لیے مغرب کے بے شمار بہترین دماغ یکے بعد دیگرے اپنی کاوشوں کو کھپاتے چلے جاتے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اب خود ان مدعیوں اور ان وکیلوں کے خلاف تاریخ کی عدالت میں عملی مقدمہ چلایا جائے اور ان کی سیاہ کاریوں کا پول کھولنے کے لیے فردِ قرار دادِ جرم مرتب کی جائے۔ ہماری یہ ملی ضرورت منتظر ہے کہ تاریخ وسیرت کے نوجوان طالب علم اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے آگے بڑھیں۔

ہمارا نظریہ جہاد قطعاً اس محدود دفاعی تصور پر مبنی نہیں ہے، جو عام طور پر ذہنوں میں رچا بسا ہے۔ البتہ وہ اس معنی میں دفاعی ہے کہ

اس کا مقصد قائم شدہ اسلامی ریاست اور اسلامی سماج کا تحفظ ہے۔
اس کا مقصد اس آئیڈیالوجی کا تحفظ ہے جس کی اساس پر نظامِ حق قائم ہوتا ہے۔
اس کا مقصد ہر اس فعال تخریبی قوت کا انسداد ہے۔ جو اسلامی انقلاب کے کیے ہوئے کام کے لیے باعثِ خطر ہو۔ اور جو اس کی تکمیل میں حائل ہونے والی ہو۔
اس کا مقصد ہر اپنے ظالمانہ اقتدار۔ خواہ وہ سیاسی ہو معاشی ہو۔ مذہبی ہو یا معاشرتی۔ کا قلع قمع کرنا ہے جو تہذیب کے نشوونما۔ نشو وارتقا اور انسانیت کی بھلائی کے راستے کا روڑا بن رہا ہو۔
اس کا مقصد ہر برائی کے خلاف اعلانِ جنگ کہنا ہے۔
اس کا مقصد سوسائٹی میں ایک پاکیزہ ماحول اور عوامی ہم آہنگی کا نظام برپا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔
اس کا مقصد ہر بڑے انسان کے خلاف کلمۂ حق کہنا ہے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی ہے کہ سب سے اعلیٰ اور بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔
چند لمحوں کے لیے اسلامی لفظِ جنگ کو جہاد کے سلسلے میں دیکھتے ہیں کیونکہ دفاع بھی جہاد ہی کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ حضورؐ کے جنگی اقدامات کو دیکھیں تو معرکۂ بدر سے لے کر فتح مکہ تک (فتح خیبر سمیت) کل پانچ بڑے معرکے ہوئے جو دراصل حقیقت کے لحاظ سے سارے کے سارے

مدافعانہ ہی تھے۔ لیکن ان میں سے اوّل الذکر تین تو اسی صورت میں لڑے گئے۔ جب کہ دشمن نے چڑھائی کر کے مدینہ پر دھاوا بول دیا۔ لے دے کے دو۲ ہی اقدامات کا فیصلہ حضورؐ نے پیش قدمی کر کے کیا۔ یعنی ایک فتح مکہ کے لیے اور دوسری فتح خیبر کے لیے۔ پس ان دو ہی اقدامات میں فیصلہ ہو گیا۔ حضورؐ نے اپنے عظیم تبلیغی و تعلیمی اور تعمیری و اصلاحی کارنامے میں ۲۳ برس کی لمبی مدت کھپائی اور ان میں صرف چھ برس ایسے ہیں کہ جن میں تعلیم انسانیت کے مختلف کاموں کے ساتھ ساتھ حریفوں کی جنگ پسند قوم سے مقابلہ بھی مجبوراً کرنا پڑا۔ انتہائی مبالغہ سے بھی اندازہ کریں تو بھی سارے کے سارے معرکوں میں مجموعی طور پر ۱۵ ہزار سے زائد افراد حضورؐ کا مقابلہ کرنے نہ آئے ہوں گے۔ ان میں سے صرف ۷۵۹ جانوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد عرب کے کئی علاقوں کی پوری آبادی سنور گئی۔ دس برس کے عرصے میں جو تاریخ کی وسعتوں میں بہت ہی محدود دکھائی دیتا ہے، عرب جیسے صحرا کو زندگی سے ایک مدرسہ فلاح میں بدل دینا اور تمام بکھرے ہوئے قبائل اور انتہائی وحشی سرپھرے اور جنگجو افراد کو اس میں داخل کر لینا اور پھر ان کو عظیم سچائیوں اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دینے میں کامیاب ہو جانا اور نہ صرف تعلیم دینا بلکہ نوع انسانی کے لیے ان کو معلم و مربی بنا دینا شاید حضورؐ کی نبوت کا سب سے بڑا معجزہ اور دنیا میں فلاحِ انسانی کے لیے پرانے رسم و رواج کو ختم کرنے کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

اسلامی نقطۂ جہاد کے متعلق چند باتیں عرض کرنے کے بعد میں دورِ

جدید کی طرف آنا پسند کروں گا۔ اسلامی تحریک جب بھی جہاد کا علم اٹھاتی ہے تو وہ عوام کے سوچنے کا رخ بدلنے کے لیے وقت کے تمدن، اجتماعی ماحول، سیاسی و معاشی نظام اور پھر خاص طور پر مروّجہ افکار و معتقدات اور پیمانہ ہائے قدر پہ کڑی تنقید کرتی ہے۔ مذہبی، سیاسی اور معاشی لحاظ سے ان پیش رو طبقوں کے افکار و اعمال کی حقیقت وہ لازماً کھول دیتی ہے۔ اسلام جب عربوں کے درمیان جاہلیت کے نظام کو ہٹانے اور تاریخ میں نئے زریں باب کا افتتاح کرنے اٹھا تو اس نے جھوٹ اور ظلم و فساد کی ہر شکل پہ بغیر کسی رحم کے تنقید کی اور وقت کے جتنے بھی عناصر جاہلی نظام، اور طاغوتی ماحول کے رہبر اور پاسبان اور کار پرداز بن کر معاشرے پر مسلّط تھے اور جو اپنے مرتبے اور مفاد کے تحفظ کے لیے فلاحِ انسانی کے پیغام کا مقابلہ کرنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اسلامی تحریک جہاد نے عین اپنے داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبان مبارک کو اس تلخ فریضہ کی انجام دہی کے لیے استعمال کیا اور سماج کے پھوڑوں کو چیرنے کے لیے ٹھیک الہامی الفاظ سے نشتروں کا کام لیا۔ یہ تنقید مجرد اصول و تصورات ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ متزاحم ہونے والے با اثر طبقات اور حریف افراد سبھی اس زد پر آئے اور بار بار آئے۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کی الہامی زبان میں تنقیدیں کر کے وقت کے اکابر کو نہ صرف عقل و دلیل کے لحاظ سے دیوالیہ ثابت کر دیا، بلکہ اخلاق اور کردار کے لحاظ سے بھی زمانے پر یہ راز کھول دیا کہ

مرعوب کن اور نظر فریب پردہ پانے عظمت و سیادت میں نہایت مکروہ غلاظتوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔ اسی تنقید نے عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ جب تک تحریکِ اسلامی سے تعاون کر کے ان طاقتوں کو زندگی کی قیادت سے برطرف نہ کر دیا جائے زندگی سنورنے کا کوئی امکان نہیں۔ جاہلی شعراء جو تحریکِ اسلامی کے خلاف فن کا محاذ آراستہ کئے ہوئے تھے اور خود اس کے داعئ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجویہ کلام لکھ لکھ کر اسے شائع کرتے رہتے تھے۔ ان کے بارے میں کہا گیا کہ انؐ کے گرد صرف گمراہ لوگ جمع ہو سکتے ہیں۔

اب میں جہاد کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اصل میں حضور صلعم کی پوری زندگی جہاد ہے کیونکہ آپؐ نے انسانوں کی فلاح و بہبود سے لے کر ان کی ذہنی نشوونما تک کے تمام پہلوؤں میں عرب لوگوں کی زندگی کو سنوارا یہ صرف جہاد کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکا تھا۔ جیسا کہ میں اوپر وضاحت کر چکا ہوں کہ تحریکِ اسلامی اور جاہلیت کے درمیان اصل معرکہ رائے عامہ کے وسیع میدان میں ہوا مسلسل اٹھارہ بیس برس جاری رہا۔ اور اسی وسیع میدان میں ہوا مسلسل اٹھارہ بیس برس جاری رہا۔ اور اسی وسیع میدان میں آخری فیصلہ بھی ہوا۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مسلم جماعت کے معرکہ ہائے جہاد کا سرے سے اس فیصلے کے ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ حضور پاکؐ نے تو اسلامی تحریکِ جہاد اسی وقت شروع کر دی تھی۔ جب آپ نے غار حرا میں جا کر ایک غیبی طاقت کی پوجا اور پرستش کی تھی اور پھر خدا تعالیٰ کی

ذاتِ بابرکات نے آپ کو اس جہاد کے شروع ہونے کا حکم اس وقت فرمایا کہ جب آنحضرت پہ حضرت جبریل علیہ السّلام پہلی مرتبہ وحی لے کر آئے یعنی حضورؐ پاک نے حقیقت میں پورے تیئس سال تک متواتر اس جہاد کو جاری وساری رکھا، حضورؐ پاک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک واقعہ اس جہاد کی منزل کی طرف قدم بڑھانے کا سلسلہ تھا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جہاد صرف دفاعی لحاظ سے اور دفاعی نقطۂ نظر سے جنگ کو کہتے ہیں تو یہ ایک لغوی چیز ہو گی۔ کیونکہ جہاد تو پوری زندگی پر حاوی ہے۔ مثلاً جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی نظام میں چوروں کی سزا ہاتھ کاٹنے کی ہو گی وغیرہ لیکن یہ الفاظ کہنے والے اتنا نہیں سوچتا کہ اسلامی نظام صرف سزا و تعزیہ کا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک جامع مذہب ہے جو پوری کائنات پہ محیط ہے جو ہر شعبۂ زندگی میں کام آتا ہے جو ہر شعبۂ زندگی کے متعلق راہنمائی (Guidance) مہیا کرتا ہے۔ جو تمام انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ جو معیشت، سیاست، نظام حکومت صنعت، تجارت، لیبر، غرضیکہ ہر طائفہ انسان کی راہنمائی کا اصول مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح کی غلط منطق جہاد کے ساتھ منسلک کی جاتی ہے کہ جہاد صرف دفاعی روک تھام یا جنگ کو کہتے ہیں، جو کسی بھی اسلام دشمن طاقت کے ساتھ لڑی جائے اور حیرت کی یہ بات کہ وہ خود اپنی زبان سے یہ الفاظ کہ "اسلام دشمن طاقت کے خلاف جنگ کو جہاد کہتے ہیں"۔ ادا کرتے ہیں لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رشوت ستانی، شراب نوشی، اقربا پروری غرضیکہ ہر برائی جو زمانے میں پائی جاتی ہے اس کی روک تھام کو جہاد نہیں کہا جاسکتا ہے۔

حالانکہ انہی چیزوں کو مختلف جگہوں پہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(۱) "فحاشی کے نزدیک مت جاؤ خواہ وہ اعلانیہ ہو خواہ پوشیدہ (سورہ انعام ۱۵۱)"۔

(۲) حیاء اور ایمان کو اکٹھا رکھا گیا ہے جب ایک اُٹھ جاتا ہے۔ تو دوسرا بھی اُٹھ جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف)

(۳) بدکاری کے نزدیک مت جاؤ وہ بڑی فحاشی ہے (سورۂ بنی اسرائیل ۳۲)

(۴) زنا اور شراب نوشی بُت پرستی جیسے فعل ہیں (حدیث نبوی صلعم)

(۵) "جو شخص حیاء ترک کرے گا وہ فحاشی کا مرتکب ہوگا" (ابن ماجہ)

(۶) شراب نوشی مسلمانوں کے لیے حرام ہے (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

(۷) رشوت لینے اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں (حدیث نبویؐ)

غرضیکہ ایسی قرآنی آیات اور احادیث ہماری نظر سے گزرتی ہیں۔ جن میں تمام برائیوں کے متعلق منع کیا گیا ہے۔ تو میں ان لوگوں سے پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اگر یہ اسلام دوست چیزیں ہوتی تو منع کیوں فرمایا جاتا یہ اسلام دشمن چیزیں تھیں اسی وجہ سے منع فرمایا گیا ہے اور منع فرمانے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ صرف اپنے تک رہیں بلکہ اس کے خلاف باقاعدہ جہاد کا حکم بھی ہے۔ تمام برائیوں کے خلاف جہاد مسلمانوں کا فرض اولین ہے اور آج کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گھنٹے کے لیے بجلی چلی جائے تو کس قدر برائیاں سامنے آتی ہیں کوئی ماں بہن بیٹی اکیلی باہر نہیں جا سکتی۔ غریب کو اس کا حق نہیں دیا جاتا۔ سرمایہ داری کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جسم

فروشی عام ہو رہی ہے۔ زنا کا اور بے حیائی کا ٹیکہ (Injection)۔ لوگوں کے خون میں لگا دیا گیا ہے۔ رشوت ستانی عام ہے، شراب نوشی کی حد نہیں، اقربا پروری کی وجہ سے کئی قابل نوجوان اچھے روزگار سے محروم رہتے ہیں۔ افیم، چرس، بھنگ، شراب جیسی لعنتیں ہمارے معاشرے کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ بے روزگاری عام ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا دور دورہ ہے۔ کسی بہن کو بھائی کی پرواہ نہیں۔ کوئی بیٹا اپنی ماں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ آخر اس مرض کی دوا ایک ہے۔ اس چیز کو روکنے کے لیے ہم کیا اقدامات کر سکتے ہیں۔ ان تمام چیزوں، برائیوں کے انسداد کا صرف ایک ہی حل ہے کہ ان کے خلاف اسلامی حکم اور خداوندِ قدوس کے فرمان کے مطابق جہاد کیا جائے اس لیے یہ کہنا کہ ہم اس موقع پر ان چیزوں کے خلاف جہاد نہیں شروع کر سکتے۔ صرف برائی کو دیکھتے ہوئے بھی آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہے۔ ہمیں ان تمام چیزوں کی روک تھام کرنے کے لیے آج سے چودہ سو سال قبل کی زندگی اور دورِ عرب کو بھی مد نظر رکھنا پڑے گا۔ ہمیں پتہ چلے گا کہ کس طرح اسی طرز کی سوسائٹی میں جو کافی حد تک آج سے چودہ سو سال قبل کی ظہور اسلام سے قبل کی سوسائٹی سے ملتی ہے اس سوسائٹی کی اصلاح کے لیے ہمیں وہی اقدامات کرنے پڑیں گے۔ جو جہاد کے زمرے میں آتے ہیں۔ دورِ جدید میں جہاد کی اس لیے بھی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ہماری اخلاقی قدریں تباہ ہو چکی ہیں اور ہمیں حضورؐ پاک کے اسی طریقہ کار کو اپنانا ہو گا۔ آپؐ نے بھی سب سے

پہلے اخلاقی قدریں سنواری تھیں۔ کیونکہ اخلاق ہی سب چیزوں کی بنیاد ہوتی ہے اگر اخلاق گراوٹ ہو جائے تو برائیاں عام ہوں گی۔ اس لیے اس چیز کی ضرورت ہے کہ ہم سب سے پہلے اخلاق کو بلند کرنے کے لیے جہاد کریں اگر ہمارا معاشرہ دوسری قوموں کے لیے باعث تقلید ہوگا۔ اگر ہم اپنی تمام برائیوں کو سرے سے ختم کرنا چاہتے ہیں تو پھر ضرورت سب سے زیادہ اسی بات کی ہے کہ ہم اخلاق کو بلند کریں لیکن اس کے لیے ہمیں جہاد کی ضرورت ہے۔ اسی جہاد کے ذریعے لوگوں کی رگ رگ میں یہ بات بٹھائی جائے کہ یہ بات آپ کے مفاد میں ہے اور یہ آپ کی مخالفت میں مثلاً اگر ہمارے معاشرے میں عورت کو اس کا صحیح مقام ملے گا اور عورت پردہ کے ساتھ جس کا حکم اسلام میں ہے زندگی بسر کرے گی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے ذہنوں سے بے حیائی دور نہ ہو۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ جہاد کامیاب کیسے ہو؟ جہاد کو کامیاب کرنے کے لیے ہمیں تمام برائیوں کے بنیادی پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ مثلاً رشوت ستانی اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ کرنا ہوگا کہ ہم لوگوں میں یہ رجحان پیدا کریں گے کہ رشوت لینے والے کی یہ سزا ہے اور رشوت دینے والے کی یہ سزا اس کے علاوہ ہمیں رشوت کے متعلق ارشاداتِ خداوندی اور ارشاداتِ نبوی صلعم کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا۔ یعنی اخلاقی قدروں کو بلند کرنا ہوگا۔ ہمیں ریڈیو۔ ٹیلی ویژن اور اخبارات و رسائل میں ایک تحریک، ایک جہاد اور ایک مقصد کے تحت بتانا ہوگا کہ یہ بات آپ کے لیے بڑی ہے۔ اسی طرح بے حیائی کو ہی لیں۔ اس کے

انسداد اور روک تھام کے لیے میں انجمن خدام اسلام پاکستان لاہور کے ایک شائع شدہ کتابچے کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح اسلام بے حیائی اور فحاشی کو روکنا چاہتا ہے۔ اسی قسم کے کتابچے بھی ہماری جدوجہد اور ہمارے جہاد کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں سے چند ایک الفاظ یہ ہیں۔

"فحاشی چنگاری کی طرح ہے۔ جو شروع میں سُلگتی ہے اور بے ضرر معلوم ہوتی ہے۔ مگر جلد ہی اس سے آگ اٹھتی ہے اور خطرناک تباہی کا باعث بنتی ہے۔ جو انسان آگ سے کھیلتا ہے۔ وہ جلنے سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فحاشی کے نزدیک جانے سے منع فرمایا ہے۔ نفسیات کو اکسانے والے سب فعل عریاں و بیہودہ فلمیں، برہنہ تصویریں جنسی ڈرامے، فحاشی، رقص و سرود کی محفلیں، شراب نوشی ہی کے زمرے میں آتی ہیں۔ انسان اکثر مغربی تہذیب کی ان بے حیائیوں کی طرف بتدریج بڑھ کر جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسے جوا، بدکاری، رشوت، چوری ڈاکے وغیرہ کی رغبت اور جرات ہوتی ہے۔ کچھ لوگ فحاشی، فیشن اور دل بہلانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہی ملک اور قوم کی بربادی کا سبب ہے۔

فحاشی کوئی معمولی برائی نہیں یہ تو صریحاً شیطانی فعل ہے اور شیطان، فحاشی کی ترغیب دیتا ہے۔ . . . عریاں اور گندے ناچ گانوں سے ہم آنکھوں اور کانوں کے زنا کے مرتکب ہوتے ہیں"۔

میرا جہاں تک خیال ہے کہ اس ایک کتابچہ (Pamphlet) کو

پڑھنے کے بعد کوئی نوجوان فحاشی کی طرف راغب نہیں ہو سکتا۔ فحاشی کو روکنے کے لیے ہمیں جہاد کے سلسلے میں کلچر سنٹر، آرٹ کونسل، اوپن تھیٹر، فحش تصاویر کی آرٹ گیلریوں، سینما گھروں کو بند کرنا ہو گا۔ جو فحاشی کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ تو انسانی فعل ہوتا ہے کہ ایک بڑی چیز کو ہم اچھے طریقے سے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر یہی آرٹ گیلریاں ہمیں ثقافت و تہذیب مسلم کے متعلق بتائیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ لیکن یہ چیزیں ہمیں برائی کی طرف مائل کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سینما گھروں، ٹی وی، اخبارات، ریڈیو کو ہم اس جانب راغب کریں گے کہ وہ فحاشی کے خلاف باقاعدہ ایک تحریک۔ اور جہاد شروع کریں پھر کیا وجہ ہو گی کہ ہمیں کامیابی نہ حاصل ہو۔ الغرض کوئی بھی برائی ہو ہم اس کو ایک باقاعدہ تحریک جہاد کے ذریعے ختم کر سکتے ہیں اور آج تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم ہی نہیں بلکہ پوری دنیا برائیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لیے ان برائیوں کو رد کرنے کے لیے ہم دورِ جدید میں بھی جہاد جیسی عظیم قوت کو برپا کر سکتے ہیں۔ جہاد ہر برائی کا خاتمہ کر دے گا اور اس طرح اس دورِ جدید میں جہاد کی اہمیت سے تمام دنیا کو فائدہ پہنچے گا۔ آج ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیئے اور ہمیں آج کے دورِ جدید میں جہاد کو جاری کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے آپ کو استعمال کرنا چاہیئے۔ ہمیں یہ عہد کرنا ہو گا کہ ہم خواہ کسی بس میں سفر کر رہے ہوں یا کسی ٹرین میں، کسی محفلِ یاراں میں بیٹھے ہوں خواہ جلسہ عام میں غرضیکہ ہر جگہ ہم ان برائیوں کے خلاف ایک

جہاد کا سلسلہ شروع کر دیں ۔ پھر دیکھئے گا کہ ہماری جدوجہد ہماری تحریک ہماری آرزوئیں جو ہمارے جہاد کا سلسلہ ہیں کس قدر کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں اور انشاءاللہ تعالیٰ ہم پوری قوم کو ان برائیوں سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں اور اس کے لیے ایک جہاد ناگزیر ہو چکا ہے ۔ خواہ یہ جہاد آج شروع ہو گا یا کل ۔ لیکن یہ جہاد ہو کر رہے گا اور پوری قوم ایک مرتبہ پھر نبی کریمؐ کے جہاد "۳۱۳" کی طرح ایک انقلابی مرحلے میں داخل ہو کر مسلمان ایک مرتبہ پھر قرطبہ اور روس تک حکومت کا پرچم لہرا سکیں گے ۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کی عظیم پیہم سے اور جہاد عظیم سے ہی حاصل ہو سکتا ہے ۔ آیئے آج کے دورِ جدید میں ہم جہاد کی افادیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہاد کا عکم بلند کریں ۔ انشاءاللہ تعالیٰ ، خدا تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو گا انشاءاللہ تعالیٰ

# مسلمانوں کے خلاف صیہونی محاذ

محمد نسیم خان۔ کراچی

موضوع پر اظہار خیال سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ "جہاد" کے معنی مفہوم کیا ہیں۔

جہاد عربی زبان کے لفظ جہد سے نکلا ہے۔ جہد کے معنی کوشش اور مشقت کے ہیں۔

مذہبی نقطۂ نظر سے جہاد سے مراد، دین کی سربلندی، ملت کے دفاع اور دینِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والوں کے خلاف اعلانِ جنگ کو جہاد کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ رکاوٹیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) جو افراد اسلام لا چکے ہیں، ان پر مسلم ہونے کے ناطے پر ظلم کرنا اور دوبارہ کفر کی طرف مائل کرنا۔

(۲) یہ رکاوٹ غیر مسلم حلقوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کا موقع نہ دیا جائے یا ان پر ایسا اجتماعی نظام مسلط کر دیا جائے۔ جس کی بناء پر انہیں مطالعہ اسلام اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع نہ مل سکے اگرچہ یہ جارحانہ اقدام نہیں لیکن مسلم اتحاد اور اشاعت دین کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جسے بزور طاقت ختم کر سکتے ہیں۔

جہاد کا مفہوم واضح ہونے کے بعد ہم یہ دیکھیں کہ اس کی کتنی قسمیں ہیں۔

قرآن میں جہاد کی دو بڑی قسمیں ہیں۔

(۱) جہاد بالنفس (۲) جہاد بالمال۔

جان سے جہاد سے مراد دینِ اسلام کی عظمت اور سربلندی کے لیے جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے گریز نہ کرنا۔ مال سے جہاد کا یہ مطلب ہے کہ دین کی اشاعت اور ترقی کے لیے اپنے مال و اسباب سے بھی دریغ نہ کرنا۔

اسلام میں جہاد کی اہمیت۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص دنیا میں اس خیال سے واپس آنے کو پسند نہیں کرے گا کہ زمین میں جو کچھ ہے، اس کو پھر مل جائے۔ مگر شہید کی یہ آرزو ہو گی کہ وہ دنیا میں واپس چلا جائے اور دس مرتبہ مارا جائے اس لیے کہ وہ شہادت کے مرتبے اور ثواب کو جانتا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اسلام میں کن حالات میں جہاد کی اجازت ہے۔

اسلام انسانیت کو امن کا پیغام دیتا ہے۔ مسلمانوں کا بہترین ہتھیار صلح ہے۔ قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو۔ صلح کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے اور اس کی مخالفتوں سے چشم پوشی کی جائے اس کی بُرائی کو حسنِ سلوک سے رفع کیا جائے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام امن کا پیغام دیتا ہے لہٰذا ہر مسلمان کو صلح کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود ایسے افراد موجود ہوتے ہیں۔ جو امن و آشتی کے بجائے قتل و غارت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں حکم ہے کہ ایسے افراد کو برابر کا جواب دو۔

مندرجہ ذیل حالات میں جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

(۱) دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو۔

(۲) دشمن اہل اسلام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے۔

(۳) دشمن لوگوں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکے یا دین اور مذہب پر پابندی عائد کرے خواہ یہ پابندی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا ہی پر کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ کسی قوم کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا جائے۔

(۴) دشمن شکستِ عہد یا غداری کا مرتکب ہو یا اس کی منافقت عیاں ہو جائے۔

(۵) دشمن فتنہ و فساد پیدا کرے اور فساد پھیلائے۔

مندرجہ بالا حالات کی روشنی میں اگر موجودہ دور کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو یہ بات صادق آتی ہے کہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہوتا ہے۔ کیونکہ صیہونی طاقتیں اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ یہ صورتِ حال اسلام اور اہل اسلام کے لیے ایک خطرہ ہے۔ اس کا سدِ باب نہ کیا گیا تو مسلمان مٹ کر رہ جائیں گے۔ اب مسلمانوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

بیت المقدس پر صیہونیت کا قبضہ، کشمیر کا مسئلہ، اریٹریا، افریقہ کے مسلمانوں کی حالتِ زار اور دنیا کے دیگر علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف محاذ بنا رہی ہیں۔ اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کے خلاف عمل پیرا ہیں۔ دشمن یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان متحد ہوں۔ مسلمانوں کے آپس کے جھگڑوں سے یہ طاقتیں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ یہ طاقتیں کسی نہ کسی طریقے سے مسلمان اگر کسی موقع پر اتحاد کا منصوبہ بناتے ہیں تو صیہونی قوتیں اس اتحاد میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔

ماضی میں مسلمان سربراہوں نے کئی اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد کیں۔ اور ایسے منصوبے بنائے جس سے مسلم اتحاد کے لیے کچھ کام عملی طور پر ہوئے ہیں لیکن اس اتحاد کو ناکام بنانے کے لیے ہمارے ایک عظیم رہنما شاہ فیصل شہید پر قاتلانہ حملہ اس اتحاد کو ختم کرنے کی ایک ناکام سازش تھی

دنیا معاشی لحاظ سے تین بلاک میں منقسم ہے۔

(۱) اسلام (۲) کمیونزم (۳) سوشلزم (۴) کیپیٹلزم یا سرمایہ داری نظام۔

اس وقت دنیا پر کمیونزم، سوشلزم کی اجارہ داری ہے حالانکہ اسلام نے ہمیں ایک مکمل اقتصادی نظام کا ڈھانچہ فراہم کیا ہے۔ لیکن ہماری تمام معاشی جدوجہد اس نظام کے گرد گھوم رہی ہے صیہونیت نے تمام اہم معاشی اداروں پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی ہے اور مسلم دنیا کو اپنے در کا فقیر بنایا ہوا ہے لیکن کیا مسلم دنیا عقلمند نہیں جو وہ لکیر کی فقیر بنی ہوئی ہے۔ آج مسلم دشمن قوتیں اپنے مقاصد پر کامیاب ہو رہی ہیں۔ مسلمان اپنی ناعاقبت اندیشوں کی بناء پر ہر محاذ پر ناکام ہیں۔ یہ اپنے آپس کے اختلاف میں الجھی ہیں۔ اسلام دشمن قوتیں ہر محاذ پر ان کا مقابلہ کر رہی ہیں اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہیں۔ اگر ہم مسلم دنیا پر نظر ڈالیں تو آج کا دور مسلمانوں کے لیے باعث عبرت ہے۔ ان کو اپنے آپ پر غیرت آنی چاہیئے کہ آج مسلمانوں کا قبلہ اول عرصہ گیارہ سال سے ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے یہودیوں کے قبضے میں ہے صیہونی قوتیں مسائل کو حل کرنے کی بجائے انہیں اور الجھا رہی ہیں۔ عرب ممالک ان سے مذاکرات کے لیے تیار ہو جاتی ہیں لیکن اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلتا۔

اس ناکامی کی وجہ کئی مرتبہ عرب اسرائیل جنگ ہو چکی ہے لیکن یہ جنگیں بھی غیر فیصلہ کن ثابت ہوتی ہیں کیا اس موقع پر فیصلہ کن جہاد کا حکم صادق نہیں آتا کہ مسلمان آپس کے اتحاد سے اسرائیل سے فیصلہ کن جہاد کا اعلان کریں اور قبلہ اول کو آزاد کرالیں لیکن مسلمان آپس کے اتحاد سے مار کھاتا ہے۔ اگر وہ ذرا سا آپس میں اتحاد کرلیں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

اگر ہم مسلم تاریخ کا جائزہ لیں تو مسلمانوں میں یہ ناکامیاں اس وقت سے ورثے میں ملیں جب مسلمان ملکوں میں بادشاہت کا نظام عمل میں آیا اور خلافت کے اسلامی دور کا خاتمہ ہوا۔ آخر یہ مسلمان ہی تھے۔ جنہوں نے ایک ہزار سال تک دنیا میں حکومت کی اور ہر اس شعبے میں ترقی کی جس پہ آج مغرب دنیا کو فخر ہے۔ مسلمانوں کو یہ کامیابی انہیں اس تعلق سے ملتی تھیں جبکہ مسلمان اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے لیکن جب سے مسلمانوں نے اپنے مذہب سے بغاوت کی تو وہ ہر مقام پر ناکام ہیں۔ آخر کیوں؟

کیا ہمارا وہ ذہن نہیں، افرادی قوت نہیں، وسائل مہیا نہیں یہ سب کچھ موجود ہیں۔ مسلمانوں کی ناکامی کی وجوہات۔

(۱) جغرافیائی حالات:۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک کو بہتر جغرافیائی علاقے فراہم کئے ہیں۔ تمام مسلم اس طرح سے دنیا کے نقشے پر موتی کی طرح جڑے ہوئے ہیں کہ اگر یہ موتی ایک دھاگے میں پرو دیے جائیں تو ایک ہار بن سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان ذرا عقلمندی سے کام لیں تو مسائل کا حل موجود ہے۔ یہ اقدام کسی جہاد سے کم نہ ہوگا وہ تمام بحری راستے جو مغربی ممالک کو جاتے ہیں۔

مسلمان علاقوں سے گزرتے ہیں اگر مسلم ممالک آپس کے اتحاد سے ان راستوں کی ناکہ بندی کر دیں تو مغربی دنیا کا تجارتی نظام درہم برہم ہو سکتا ہے مغرب کی تمام اقتصادیات مفلوج ہو کر رہ جائیں تو یہ مجبور ہوں گی کہ ہمارے مسائل پر اپنی ٹانگ اڑانا ختم کر دیں گے۔

(۲) معدنی ذخیرے :۔ قدرت نے مسلم ممالک کو تیل کی دولت سے مالامال کیا ہے۔ اگر مسلم دنیا آپس کے اتحاد سے ان ممالک کو تیل کی فراہمی قطعی طور پر بند کر دیں تو یہ اسلام دشمن قوتیں یقینی طور پر اپنے اقدام پر پشیماں ہوں گی یہ بھی ایک جہاد سے کم نہ ہو گا۔

(۳) اسلامی نظام کا نفاذ :۔ ہماری سب سے بڑی ناکامی اللہ اور اس کے رسولؐ سے دوری ہے۔ موجودہ دور میں ہم مغربی دنیا کے درآمد کردہ نظام پر حکومتیں قائم کرتے ہیں۔ جو قطعی طور پر اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ حالانکہ اسلام نے ہمیں ایک مکمل ریاست کا ڈھانچہ فراہم کیا ہے۔ جو ہر صورت میں موجودہ دور میں کامیاب ثابت ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم ذہنی طور پر اسے قبول کریں اور اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اس کا نفاذ کر سکیں تو یہ کسی جہاد سے کم نہیں۔

(۴) معاشی منصوبہ بندی :۔ اسلام نے ہمیں ایک مکمل معاشی منصوبہ بندی فراہم کی ہے لیکن ہم آج اسلام دشمن کی قائم کردہ معاشی منصوبہ بندی پر عمل کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارا ہر وہ اقدام جو ترقی کے لیے کرتے ہیں۔ ناکامی کی طرف ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی زندگی کو عملی جہاد کا نمونہ بنانا چاہیئے یہ اقدام

بھی اسلام کے نزدیک جہاد سے کم نہیں ہے۔

(۵) خارجہ پالیسی:۔ ہماری مسلم دنیا کی خارجہ پالیسی مایوس کن ہے۔ دنیا میں کئی مسلمان ممالک ہیں۔ ہر ایک مسلم ملک مختلف بلاکوں میں تقسیم ہے۔ کوئی روسی بلاک، چینی بلاک میں۔ امریکی بلاک میں جنگ کے دوران یہ بلاک قطعی طور پر مسلم ممالک کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس کے نتیجے میں مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار دیتے ہیں۔ لہذا مسلم ممالک کی خارجہ پالیسی باہمی مشورے اور خاص کر مسلم ممالک کے لیے نرم ہونی چاہیئے۔ اپنے باہمی اختلافات بات چیت کے ذریعے ختم کرنے چاہیئے اور دشمن قوتوں سے پالیسی کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔

(۶) اسلام کی تبلیغ کی ضرورت:۔ مسلم ممالک میں سرکاری سطح پر غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کی مناسب سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ اسلام نے بغیر جبر کے صلح و آشتی سے اسلام کی تبلیغ کو جہاد کا درجہ دیا ہے لیکن اس کے مقابلے میں خود مسلم ممالک میں عیسائیت، یہودیت اور دوسرے مذاہب کی تبلیغ کو ان ممالک میں، سرکاری سطح پر سرپرستی اختیار کی جاتی ہے اور وہ کھلے عام مسلم ملکوں میں اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہیں۔ اس کے خلاف عملی اقدام کرنا چاہیئے اور اسلام کی تبلیغ کے لیے بہتر طریقے اختیار کئے جائیں۔

(۷) نظام تعلیم:۔ ہمارا موجودہ نظام تعلیم مغرب کا درآمد کردہ ہے مسلم ممالک میں قرآن و سنت، حدیث اور فقہہ کی تعلیم کی ضرورتوں کو صرف دارالعلوم تک محدود کر دیا گیا ہے حالانکہ اسلامی تعلیم کے یہ مضامین ہماری عام زندگی میں ہمارے معاون

ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کی جڑوں کو مضبوط رکھنے کے لیے اسلامی نظام تعلیم کا نفاذ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ہمارے مستقبل کی قیادت کا تعلق تعلیم یافتہ طبقے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلم قیادت کو فعال بنانے کے لیے افراد کا اسلامی تعلیم سے روشناس ہونا بھی ایک جہاد سے کم نہیں ہے اسلامی ملکوں کے رابطے کے لیے عربی کی تعلیم بہت ضروری ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کے ہوتے ہوئے مسلم دنیا کے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ کیا اس دور میں جہاد کی ضرورت ہے؟۔

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ مومن کی زندگی کا ہر عمل جہاد سے کم نہیں ہے۔ دنیا اس وقت افراتفری کا شکار ہے۔ اسے ایک جائے سکون کی ضرورت ہے دنیا میں وہ تمام نظام ناکام ہو چکے ہیں۔ جب کہ اسلام ایک بہترین زندگی کا نمونہ فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا مسلم دنیا کو چاہیئے۔ سب سے پہلے اپنے نظام حکومت کو مکمل طور پہ اسلامی نظام کا عملی نفاذ کریں اور اپنی زندگی میں انقلابی تبدیلی پیدا کریں۔ ذہنی انقلاب کی ضرورت ہے۔

مسلم معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اگر مسلم ممالک کی حکومتیں اپنے ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتی ہیں تو ملک کے اندرونی اور بیرونی دشمن اسے ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا اس نظام کو نافذ کرنے کے لیے ذہنی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ تاکہ بہتر اسلامی معاشرے کی بنیاد پڑ سکے۔ ہمیں اپنی قوم کو اسلامی روایات کا آئینہ دار بنانا ہو گا۔ مثالی معاشرے کا قیام ایک جہاد سے کم نہیں ہے۔

(۲) اسلامی تہذیب ثقافت کا تحفظ :۔ موجودہ دور میں مسلم معاشرہ انتہائی بے راہ روی کا شکار ہے۔ ہم ہر وہ طریقہ اپنا رہے ہیں جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ہر مسلم ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن کو اجاگر کرے اور قوم کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کرنا ایک جہاد ہے

(۳) مسلمانوں کا اتحاد :۔ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۷۵ کروڑ یہ ۷۵ کروڑ انسانوں کی آبادی دنیا میں ایک طاقت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس طاقت کو فعال بنانے کے لیے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔

(۴) متحدہ مسلم بلاک کا قیام :۔ آج دنیا میں ہر طرف جنگ کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ اقوام متحدہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ان خطرات کو ختم کر سکتا ہے لیکن اقوام متحدہ کا قیام ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے صیہونی طاقتیں ممکن بات کو ناممکن بنا دیتی ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم ممالک میں آپس میں باہمی یگانگت کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر مسئلے پہ اپنی ایک مشترکہ رائے قائم کریں اور ایک مسلم بلاک بنائیں۔ تاکہ اقوام عالم میں اپنے مسائل کو ایک مضبوط طریقے سے پیش کر سکیں اور اپنے اتحاد سے اپنی بات منوا سکیں یہ بھی ایک جہاد ہے۔

(۵) وسائل کا استعمال :۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم دنیا کو ہر قسم کے وسائل سے نوازا ہے

لہٰذا مسلم دنیا کا یہ فرض ہے کہ اپنے وسائل کو اسلامی دنیا کی ترقی کے لیے خرچ کریں۔ آج ہم جو کچھ غیر ممالک سے امداد اور قرض کی صورت میں طلب کرتے ہیں۔ اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ اس اتحاد کی بدولت معاشی اور صنعتی تجارتی سطح پر غیر مسلموں کے محتاج نہیں ہو سکتے یہ بھی ایک جہاد ہے۔

(۲) غور و فکر، تحقیق :۔ اسلام غور و فکر کو ترجیح دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے جو ترقی کی وہ غور و فکر کا نتیجہ تھی لیکن آج ہم نے یہاں غور و فکر کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ اگر کامیابی سے ہمکنار ہونا ہے تو اس جذبے کو دوبارہ بیدار کرنا ہوگا۔ مجموعی طور پر اگر ہم غور کریں تو رسولِ پاکؐ اور آپ کے صحابہ اکرامؓ کی ساری زندگی جہاد تھی۔ مکہ میں مسلمانوں کی جمعیت کم تھی۔ کفار ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ لیکن ان مسلمانوں کے پائے استقلال پر ذرا بھی حرف نہ آتا تھا۔ انہوں نے دین کی خاطر بہت تکالیف اور مصیبتیں برداشت کیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں ان کی قوت بڑھی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے مخالفین کو ظلم سے روکیں۔ اس وقت مسلمانوں نے دین کی حمایت میں تلوار اٹھائی۔ اس کے علاوہ جب کبھی ضرورت پڑی۔ انہوں نے اپنا مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔

جہاد کے دوران اپنے امیر کی اطاعت فرض ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔ جنگ میں دشمن سے بدعہدی فریب دینا، مال غنیمت میں خیانت کرنا منع ہے۔ اس طرح جہاد کے دوران

عورت، نابالغ، بوڑھے اندھے اور اپاہجوں کو قتل کرنا منع فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی پاکیزہ زندگی ہمارے لیے جہاد کا بہترین نمونہ ہے۔ جس کا اتباع کر کے ہم دنیا میں سُرخرو اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ موجودہ حال جو دور جدید کہلاتا ہے اس دور میں کئی ایسی صورتیں موجود ہیں۔ جو مسلمانوں کے لیے پُرخطر ثابت ہو سکتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ آپس میں اتحاد، یگانگت کا ثبوت دیں اور وہ قوتیں جو اسلام کے خلاف عمل پیرا ہیں۔ ان کے خلاف راہ عمل میں ڈٹ جائیں اس کا نام جہاد ہے۔

مسلم دنیا کو چاہیئے کہ اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور قوم میں اُچھی طرز زندگی اختیار کرنے کے لیے اسلامی نظام کا نفاذ عملی شکل میں کریں۔ اپنی زندگی کو اسلام کے تابع بنائیں، یہی بہت بڑا جہاد ہے اس سے ہم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوں گے اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی طرز زندگی پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

# جہاد کی ضرورت

زکریا نورانی ۔ کراچی ۔

اسلام کے لئے جن کی جان فشانی
اسلام پر جن کے مال وزر کی قربانی
اسلام کی تبلیغ ہو جن کی زبانی
وہی سب ہیں مجاہدین اسلامی ـ

حفیظ جالندھری

واقعی یہں ہر وہ امر جو سر بلندی اسلام کے لیے وقف ہو، جہاد کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے لئے نہ تو شمشیر زنی کی ضرورت ہے اور نہ ہی مال وزر کا ہونا ضروری ہے ۔ بلکہ صرف کسی بھولے بھٹکے کو راہِ حق و صداقت کی طرف مائل کر دینا ہی جہاد ہے ۔

جہاد کی اہمیت دیناوی اور ابدی زندگی کے لیے بہت زیادہ ہے ۔ قرآنِ مجید نے اپنے انمول الفاظ میں اس کی اہمیت اس طرح بیان کی ہے ۔ الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولٓئک ھم الفائزون

یعنی، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی تو وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجے والے ہیں اور وہی درحقیقت کامیاب ہیں ۔

اس آیت مطہرہ میں بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ مجاہد ایک اعلیٰ مقام کا مالک ہے اور وہ اس دنیائے فانی کے بعد آرام کی زندگی بسر کر سکے گا۔ آنحضرتؐ نے بھی جہاد کی فضیلت بیان کی ہے آپؐ کا کہنا ہے۔ الجنۃ تحت ظلال السیوف یعنی جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ اس سے آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے لڑنے والا جنتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں بھی جہاد ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک انگریز فلسفی جان کیتھ (JOHN KEITH) کہتے ہیں:-

(where motives are backed by religion they are more forceful)

یعنی "جو چیز مذہب کی خاطر کی جائے وہ زیادہ مؤثر ہوتی ہے" اسی طرح اگر ہم اپنے ہر عمل میں اپنے فائدے کی جگہ مذہب کی بھلائی کا خیال رکھیں۔ تو وہ زیادہ کامیاب ہوں گے۔ مثال کے طور پر یہ وہی جذبہ تھا، جس نے ۳۱۳ مسلمانوں کو ہزارا کافروں پر فتح دی۔ اسی جذبہ نے مسلمانوں کی اسپین پر فتح ممکن کی۔ وغیرہ۔ غرض اس جذبہ سے انسان اپنی دونوں فانی اور دوامی زندگی سنوار سکتا ہے۔

دورِ جدید میں بھی جہاد کی وہی اہمیت ہے جو چودہ سو سال قبل تھی۔ گویا کہ اب شمشیروں کی جگہ بندوقوں نے اور انسان کی اپنی آواز کی جگہ دوسرے ذرائع نے لے لی ہے۔ لیکن پھر بھی جہاد کی حیثیت وہی ہے اور ان چیزوں کے بدل جانے کے بعد بھی اگر انسان اسلام

کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرے تو وہ مجاہد ہو گا۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ دورِ جدید میں جہاد کی اہمیت اور ضرورت پہلے کی نسبت زیادہ ہے صرف جہاد ہی ہے جس سے ان برائیوں سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ دنیا باوجود بے انتہا کوششوں کے ان سے اب تک نجات اس لیے حاصل نہیں کر سکی ہے کیونکہ اب فرقہ پرستی جہاد پر غالب آ چکی ہے اور جب تک انسانیت جذبۂ جہاد سے عاری ہے۔ اس وقت تک ان برائیوں سے نجات حاصل کرنا محال ہے۔ اسی بنار پر دنیا کے لاکھوں مسلمان جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آزادی کی نعمت سے محروم ہیں کیونکہ ان میں جہاد کا جذبہ خاموش ہے اور وہ ایک فرقہ کی حیثیت سے دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ جب تک ان میں یہ جذبہ بیدار نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ اس بات کو مولوی مودودی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"چونکہ اتفاق میں برکت ہے اس لیے ہمیں اپنے مسائل کا مقابلہ فرقہ وارانہ نہیں بلکہ بحیثیت ایک مسلم قوم کے کرنا چاہیئے کیونکہ اسی طرح ہم ایک موثر قوت ثابت ہو سکتے ہیں۔

دور جدید میں جہاد کی اصل روح کو بیدار کرنا۔ اس لیے اور بھی ضروری ہو گیا ہے کیونکہ بعض لوگوں نے اپنے مفاد کے لیے اسے الگ الگ معنی دینے شروع کر دیے ہیں۔ آج اگر کوئی سیاست دان اپنے سیاسی مقاصد کے لیے اگر کسی کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ مجاہد ہے اگر کوئی

فرقہ وارانہ جھگڑوں میں حصہ لیتا ہے تو وہ مجاہد ہے اگر کوئی اپنی شہرت کے لیے دولت تقسیم کرتا ہے تو وہ مجاہد ہے۔ اسی غلط استعمال کی وجہ سے آج جہاد کی روح دم توڑ رہی ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا اصل نور ماند پڑ گیا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاد کی اصل روح کو پھر زندہ کیا جائے اور اسی سے تمام مذہب دشمن قوتوں کا مقابلہ کیا جائے۔

مختصر یہ کہ آج جب کہ حق اور باطل کی قوتوں میں ایک شدید کشمکش ہے۔ صرف جہاد ہی باطل کو شکست اور حق کو فتح سے ہم کنار کرسکتا ہے یہ سچ ہے۔

زمانہ قدیم ہو یا جدید
جہاد کی ضرورت ہے بڑی شدید

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

# فضائے بدر پیدا کر

سردار محمد طاہر تبسم - صدر کراچی -

اسلام کی اصطلاح میں حق کی خاطر باطل قوتوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش کا نام جہاد ہے۔ خصوصاً اسلام مسلمان اور اسلامی مملکت کو نقصان پہنچانے والوں کا مقابلہ کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ ارشادِ خداوندِ قدوس ہوتا ہے۔

"مسلمانوں کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ باہم مل کر فتنہ پرور قوتوں کے خلاف جنگ کریں اس جنگ میں ان کے لیے زندگی کا سامان ہے" القرآن"

ویسے تو مسلمان کی ساری زندگی اور ہر لمحۂ زندگی ہی جہاد ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ کبھی مصائب و آلام کا مقابلہ کرتا ہے۔ تو کبھی بیروزگاری میں سرگرداں کبھی اپنی نفسانی خواہشات پہ کنٹرول کرنے کی تگ و دو میں اور کبھی اپنی زندگی کو اسلام اور احکام اسلامی کے مطابق لبسر کرنے کی خو کرتا ہے۔ غرضیکہ مسلمان اگر اپنے صحیح مقاصد کے حصول کے لیے جہدِ مسلسل کرتا ہے۔ وہ چاہئے قومی ہوں یا فکری۔ مالی ہوں یا جانی ان سب کا نام ہی جہاد ہے۔ نیز معاشرے کی ناہمواریوں کو نابود کرنے، ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کرنے اور امن، عدل اور حق کا بول بالا کرنے کے لیے جو بھی کوشش ہو وہی جہاد ہے۔ اس کی اقسام ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔

(۱) جہاد بالقلم:۔ باطل کے خلاف قوم کو ابھارنے کے لیے قلم بھی تلوار سے کم نہیں ہوتی۔ مضامین، کتب اور حق کے لیے اپنے ذہنی تخیلات و تکلمات کی نشر و تشہیر کرنا بھی جہاد ہے۔

(۲) جہاد باللسان :- زبان کے توسط سے ہر برائی کا خاتمہ کرنا اور وعظ و نصیحت اور افہام و تفہیم کے ذریعے معاشرہ پاک کرنا۔

(۳) جہاد بالنفس :- اپنی نفسانی خواہشات کا اسلامی رنگ میں مقابلتاً آنا اور نفس کو قائل و تابع کرنا بڑا جہاد ہے۔

(۴) جہاد فی سبیل اللہ :- دشمنانِ اسلام کے خلاف بزورِ بازو بزد آزما ہونا اصل جہاد ہے۔

چنانچہ ادوارِ گذشتہ کا بنظر عمیق جائزہ لینے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان مومنین نے معمولی سی طاقت کے ذریعے ساری کائنات کو کیسے تسخیر کر لیا اور تواریخ کے سنہری ابواب میں وہ تابندگی کیونکر پا گئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہی نکلے گا کہ "جن اقوام و عوام نے حق کے لیے باطل سے بزد آزمائی کی۔ اگر قربان ہوئے تو شہید اور جان بچ گئی تو بھی غازی کی زندگی کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ انہوں نے جنگ و جدال کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح اور معاشرتی نقائص کے خاتمہ کے لیے بھی جہاد کیا اور یہی وجہ ہے کہ ان کو نہ ختم ہونے والی زندگی عطا ہوئی ہے"۔

دشمن کی حق سے دائمی عداوت رہی ہے اور اسلام کے جانبازوں نے بھی ہر دور میں اپنی سچائی کو منوانے کے لیے قدرت حاصل کی۔ لیکن کیونکہ دشمن پھر دشمن ہے اور ہر اس وقت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے کہ وہ اپنے انتقام پر سبقت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے لیکن علامہ اقبال کا درس یہ ہے کہ

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔

حضور اکرم صلی اللہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

"دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی ایک وہ جو آنکھ اللہ کے خوف میں رو ئے اور دوسری وہ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزار دے"۔ (الحدیث)

اسلام امن، عدل، صلح اور آشتی کا درس دیتا ہے اور اس کا اصول بھی "جیو اور جینے دو" ہے لیکن اگر دشمن کے مقابلے میں آ جائے تو تقیم دکسری بھی جھکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ع ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

موجودہ دور میں عالمی واقعات کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں۔ سخت مصائب و آلام کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان کو اپنے مذہبی معاملات میں بھی بعض جگہ آزادی تک حاصل نہیں۔ کشمیر، فلسطین اور اریٹیریا و بمبیا کے مسلمانوں ہی کی مثال لیجئے کہ ان لوگوں نے آزادی کے لیے ہزاروں سر تن سے جدا کروائے مذہبی آزادی کے لیے ہر ظلم و جبر کا مقابلہ کیا اور ہر ایک ظلم کو برداشت کیا۔ شومئ قسمت کہ اب تک کامیابی نصیب نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کی مثال لی جائے کہ جن میں اضطراب و بے چینی نے گھیر رکھا ہے اور مکاری و عیاری کا بازار گرم ہے۔ چنانچہ کہیں اسلامی ممالک، ایسے بھی نظر آتے ہیں کہ جو اپنی مضبوط مالی حیثیت کے بھی دوسرے ممالک کے در کی دربانی

کرنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس گزشتہ ادوار کی طرف نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہی مسلم اقوام کہ جنہوں نے تسخیرِ کائنات کا اعزاز پایا تھا۔ آپ ہی ذلت کا شاہکار نظر آتی ہیں۔ اس کے کئی ایک اسباب ہیں۔ پہلے تو یہ کہا جاسکتا ہے چونکہ ہمارے اسلاف نے اسلام کی دفاعی حیثیت کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہیوں اور معاشرے کی ناہمواریوں کے خلاف بھی جہاد کیا۔ لیکن ہم میں یہ سب سے بڑی کمی ہے کہ ہم صرف نام کے مسلمان بھی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ دیگر یہودی و نصرانی اقوام متحد ہو کر مشترکہ لائحہ عمل کے تحت عمل پیرا ہیں۔ لیکن ہم اس اصول سے کوسوں دُور رہتے ہیں۔ تو موجودہ دور میں جہاد کی اشد ضرورت ہے۔ کیسے جہاد کی؟ ہر طرح کا جہاد ضروری ہے۔ ادباء و شعراء بھی معاشرے کی اصلاح کے لیے جہاد بالقلم کریں۔ علماء و فضلاء بھی جہاد باللسان کریں اور عام شہری بھی اپنی اصلاح کے لیے جہاد بالنفس کریں اور حکمران حکومت بھی جہاد فی سبیل اللہ کے درس پہ عمل پیرا ہو تو عین ممکن ہے کہ ہم اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کر پائیں لیکن اس کے لیے سب سے ضروری اپنی بدنی اصلاح اور معاشرتی برائیوں کا سدِّ باب اہم حیثیت رکھتا ہے۔ جب ہم اپنی بُرائیوں اور معاشرتی خرابیوں و اغلاط سے پاک و مُصفّٰی ہو جائیں گے اور اپنی معاشرتی قدر و منزلت بحال کر لیں گے اور ملک میں صحیح قدریں مجتمع ہو جائیں گی تو یہ چند روزہ زندگی جنت کا نمونہ بن جائے گی اور جب ہر مسلمان پہلے اپنی پھر معاشرہ کی اور پھر ملک کی اصلاح کی راہ پہ گامزن ہو جائے گا تو پھر مشترکہ جہاد ہو گا باطل ہمیشہ کے لیے نابود

اور حق کا ہر طرف چرچا ہو جائے گا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ۔ بالآخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے جہاد کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

سہ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر آئیں گے گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

# ہر ملک ملکِ ما است

توفیق احمد۔ کراچی۔

موجودہ دور میں اسلامی تعلیمات کی ناکافی واقفیت کے باعث جہاد کے معنی اسلام کے حق میں مسلح جنگ کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ جبکہ تشریحاً مسئلہ یوں ہے کہ ذاتی منافع، لالچ اور جغرافیائی حدود کی پرواہ کیے بغیر اسلام کے عروج اور ملت اسلامیہ کے لیے قلمی، زبانی اور جسمانی قربانی دینا۔ اسلامی تعلیمات نظریہ وطنیت کو جغرافیائی حدود میں منقسم نہیں کرتیں بلکہ نظریاتی طور پر ایک اعلیٰ مرکز مہیا کرتی ہیں۔ ایک مسلمان جب اسلام کی وسیع برادری میں داخل ہوتا ہے تو اس کا وطن صرف اسلام ہوتا ہے۔ جغرافیائی حدود مٹ جاتی ہیں نسلی حدود مٹ جاتی ہیں اور وہ کسی سرزمین سے اپنے آپ کو وابستہ نہیں کرتا۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند (علامہ اقبال)

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (علامہ اقبال)

غرض اسلام، نسل، نسب اور اس قسم کے تمام امتیازات کی نفی کرتا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پہ آنحضرت صلی و آلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اسلام نسلی عظمت کے بجائے اعمال حسنہ کو شرف اور احترام کا مستحق سمجھتا ہے۔ حضرت سلمان رضی فارسی سے ان کا نسب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مسلمان ابن اسلام۔ یہ جواب

عین اسلامی روح کے مطابق تھا۔ اس کے برعکس یورپ کا نیشنلزم جس کی بدولت موجودہ نظریہ وطنیت وجود میں آیا۔ ایک خطرناک حربہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کو مال تجارت قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں کشمیر کو برطانوی سامراج نے گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھوں فروخت کیا۔ علامہ اقبال نے فرمایا۔

دہقان و کشت و جوی و خیابان فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

وطن کا لفظ مغرب میں محض جغرافیائی اصلاح ہے۔ اس حیثیت سے اسلام کے متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کی حدود آج کچھ اور ہیں کل کچھ اور ہونگے کل تک اہل بنگلہ دلیش پاکستانی تھے۔ آج بنگلہ دیشی ہیں۔ کل تک اہل برما ہندوستانی تھے۔ آج برمی ہیں۔ ان معنوں میں ہر انسان فطری طور پہ جنم بھوم سے محبت رکھتا ہے۔ مغرب نے وطنیت کو اجتماعی زندگی کا ایک نظریہ قرار دیا اور ان احوال میں یہ بات ضروری ہو گئی تھی کہ وطنیت اور قومیت کا تصور وطن دوستی سے جداگانہ چیز ہے۔ دین اور سیاست کا جو تعلق اسلام نے قائم کیا۔ عیسائیت کو اس سے مناسبت نہ تھی۔ کلیسائی ملک کی بنیاد رہبانیت پہ رکھی گئی وہ فقیری اور امیری کو کیسے جمع کر سکتا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ اب اس کے بعد ان کے لیے کوئی اساس ہی نہ رہی تو انہوں نے وطنیت کو بنیاد ٹھہرایا۔ مذہب کی علیحدگی سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا وہ اس طرح پُر کرنا چاہا۔ اس سے انکار نہیں کہ انہیں اس طرح کی سیاسی گروہ بندی سے فائدے بھی حاصل ہوئے

لیکن انجام کار کیا ہوا۔ عیسائی سلطنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور ان میں نسلی لسانی اور وطنی اختلافات کا ایک غیر محدود سلسلہ قائم ہو گیا۔ بدقسمتی سے جب برطانوی سلطنت کو عروج حاصل ہوا تو یہ نظریہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مسلم ممالک اور برطانوی مسلم نوآبادیات میں برآمد ہوا۔ اس کی ظاہری چکا چوند سے متاثر ہو کر یا یوں کہہ لیں برطانوی معاشرے کی معاشی ترقی سے متاثر ہو کر مسلم ممالک نے انہیں رائج کیا لیکن نتیجتاً مسلم ممالک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئے اور اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ علامہ اقبال نے اسی نظریہ کی مخالفت کی تھی اور فرمایا تھا کہ جب یورپ کی دینی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور اقوام یورپ علیحدہ علیحدہ ہو گئیں تو ان کو اس بات کی فکر ہوئی کہ قومی زندگی کا اساس وطن کے تصور سے تلاش کیا جائے اور اس کا انجام کیا ہوا اور ہو رہا ہے وہ ہم سب پر عیاں ہے۔

یہ وطنیت کا تصور جو تہذیبِ نو کا ثمرہ ہوا ہے۔ انسانیت کو لادینیت، دہریت اور اقتصادی نزاعات کی طرف دھکیلنے کے ساتھ ساتھ جو سب سے بڑی خرابی پیدا کر رہا ہے وہ مادّہ پرستی ہے اور اسی مادیت نے ابنِ آدم سے اس کا معبود چھین لیا ہے۔ آج ترقی یافتہ دنیا انتہائی مادی ترقی کے باوجود ذہنی ہیجان کا شکار ہے۔ انفرادی زندگی میں بھی اور ملّی و بین الاقوامی مسائل میں بھی اس کی وجہ کیا ہے ہم ہوا پرست ہو گئے ہیں۔ مطلب پرست ہو گئے ہیں حق اور صداقت کی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ ان کے پاس دولت ہے لیکن سکونِ قلب و روح نہیں۔ جسمانی آسائشیں ہیں۔ لیکن اطمینانِ قلب نہیں۔ راگ

رنگ ہیں۔ نائٹ کلبز ہیں عیش و عشرت کے سامان چہار سو بکھرے پڑے ہیں۔ تاہم بے چارے اعصاب انتشار کا شکار جو ملک جتنا زیادہ دولت مند ہے اتنی ہی وہاں خودکشی کی وارداتوں کی بہتات۔ ابنِ آدم خود اپنی جان سے مایوس ہو گیا ہے۔ انسانیت خود اپنے ہاتھوں اپنا گلہ کاٹ رہی ہے۔ دیوانوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ اعصابی امراض عام ہیں۔ سوچو اور غور کرو آخر ابنائے آدم خودکشی کیوں کر رہے ہیں۔ مجھے بتایئے اس سیکولر دور میں بھی لوگوں کو خدا کی تلاش کیوں ہے اور وہ خدا کی تلاش میں موت سے کیوں گلے مل رہے ہیں اکا دکا خودکشی کی واردات کو تو جانے دیجئے۔ آج کل یورپ و امریکہ میں اجتماعی خودکشی کے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ جن کا مقصد خدا کی تلاش ہے حال ہی میں جونس ٹاؤن گیانا میں اجتماعی خودکشی کا جو واقعہ ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ سیکولر دنیا میں مختلف لوگ مختلف طریقوں سے خدا کی تلاش میں ہیں اور اسی تلاش میں وہ گمراہ کن نظریات رکھنے والے لوگوں کے چنگل میں بھی پھنس جاتے ہیں۔ گیانا کا ایک معصوم طبقہ بھی ایسے ہی شیطان صفت شخص جونس جس نے اپنے نام پر جونس ٹاؤن آباد کیا اور خود کو مذہبی مبلغ کہلوا کر لوگوں سے ٹاؤن کے کمیونٹی ہال میں خودکشی کرائی اور لوگوں نے خدا کی تلاش اور خدا کو پانے کی جستجو میں زہر کے پیالے خوشی خوشی پی لئے۔ اس واقعہ کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سینکڑوں لاشوں میں ایک سو بچوں کی لاشیں بھی شامل تھیں او میرے خدایا خودکشیاں کیوں ہو رہی ہیں کیا تکلیف ہے ان کو کیا شکایت ہے۔ کیا تلاش ہے۔ کیا پیاس ہے انسان

فطرتاً حیات کا متلاشی ہے اور زندگی کا خواہاں ہے۔ پھر وہ نجات کی جانب
کیوں رخ کر رہا ہے۔ اس کی زندگی میں کس چیز کی کمی ہے، جو وہ موت کے
ذریعے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آخر انسان موت کو گلے لگانے پر کیوں مجبور
ہو رہا ہے۔ وہ زندگی جیسی پیاری چیز سے کیوں بیزار ہوا جاتا ہے۔
کون سی ایسی تشنگی ہے جو نہ شراب جام بجھاتا ہے۔ اس کی روح کی کونسی
چینخ ہے، جو بلند نوا موسیقی نہیں دبا سکتی۔ اس کے دل و دماغ پر کونسا تشنج
طاری ہے، جس کا مداوا اعصاب شکن رقص بھی نہیں کر سکتا۔ اس کو کس
حسن حقیقی کی تلاش ہے، جو حسین ترین باہیں مہیا کرنے سے قاصر ہیں میرے
عزیزو! جسم مادی غذا چاہتا ہے۔ دماغ کو علم کی اشتہا ہے اور روح کو
اپنے معبود کی تلاش ہوتی ہے۔ اس دور مادہ پرستی میں ہم نے ابنِ آدم
سے اس کا معبود چھین لیا ہے۔ ابن آدم کی روح کے ہونٹ خشک ہو گئے
ہیں۔ اس کا تالو سُرخ رہا ہے۔ روح کرب میں مبتلا ہے اور جسم کو تڑپا رہی
ہے۔ ہم اس کو راگ رنگ کے تالاب میں غوطہ دے دیتے ہیں، تھوڑی
دیر کو مدہوش اور بے ہوش ہو جاتے ہیں لیکن یہ عارضی سکون ہے، تشنگی
بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ مرض میں اضافہ ہی ہوا چلا جاتا ہے۔ اس
کو بھلانا چاہتے ہیں لیکن بھلا نہیں سکتے۔ موجودہ ترقی یافتہ معاشرے کی
کیفیت اس ماں کی سی ہے، جس کے بدنصیب بے زبان بچے کو پیاس
لگتی ہے۔ وہ روتا ہے نادان ماں کبھی دھمکی دے کر مدہوش کر دیتی ہے
کبھی شمپین یا برانڈی کا جام پلا دیتی ہے۔ کبھی بلند آہنگ ریکارڈ لگا کر

اس کی آواز دبا دیتی ہے۔ کبھی جھنجھوڑ کر اسے تھکا دینا چاہتی ہے۔ آج کے مادی دور کو ایک انقلاب کی تلاش ہے۔ جو اسے خدا کے قریب لا سکے اور اس کی روح کو سکون بخش سکے۔ اسے اطمینان قلب و سکون دماغ مہیا کرے۔ یہ انقلاب اٹھ رہا ہے کہاں سے یورپ سے نہیں امریکہ سے نہیں۔ اشتراکی دنیا سے نہیں بلکہ عالم اسلام سے۔ اب تک یہی کہا جاتا رہا ہے کہ دنیا دو بلاکوں پر مشتمل ہے ایک۔ اشتراکی یا کمیونسٹ بلاک اور دوسرا مغربی لیکن جن لوگوں کی آنکھیں عالمی حقائق اور امور کی طرف سے بند نہیں ہیں جو دنیا کی رفتار اور رُخ کو بجا طور پہ دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ دنیا میں اشتراکیت اور مغربی جمہوریت کے بیچ ایک تیسری حقیقت بھی ابھر رہی ہے۔ یہی وہ حقیقت ثابت ہے جو نہ کبھی معدوم ہوئی ہے نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔

اسلام بیدار ہو رہا ہے۔ ہاں سبھی مسلمان وطنیت کی حدود توڑ رہے ہیں۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ کی طرف مائل بہ گامزن ہیں اور یہی وہ اہم ضرورت ہے جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بن رہی ہے۔ اسلام کے قدم مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ آج ایران میں اسلام کی خاطر کیا ہو رہا ہے۔ ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ سال بھر پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مغربیت پسند ایرانی قوم اتنے شدید اسلامی جذبات رکھتی ہو گی۔ پاکستان میں دور اسلامی کا نفاذ ہو چکا ہے۔ افغانستان کے مجاہدین نے دین کو باقی رکھنے کے لیے ماسکو نواز حکومت کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی ہے۔ یہ مجاہدین بلکہ پوری قوم

ماسکو کی جانب نہیں بلکہ کعبہ کی طرف رخ کر کے جینا چاہتی ہے۔ترکی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور دیکھا جا رہا ہے۔جاپان سے متعلق یہ رائے ہے کہ وہ عنقریب اسلامی ملک بن جائے گا۔روس کی ایک چوتھائی آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور روس اس خوف واندیشہ سے گھرا ہوا ہے کہ اگر ان مسلمانوں میں اسلام کا جذبہ شدت سے ابھرا تو کریملن کی دیواریں دھل جائیں گی۔اس لیے وہاں دہریت کی تعلیم نوجوانوں میں عام کی جا رہی ہے لیکن اس کے باوجود بوڑھوں میں تو ہے ہی شدید جذبہ اسلام لیکن نوجوانوں میں بھی اسلام کی محبت بڑھ رہی ہے۔چین کے صوبہ سنکیانگ کی زیادہ تر آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو زیادہ تر ترک ہیں حال ہی میں سنکیانگ کا دورہ کرنے والے اسلامی اسکالروں کے ایک وفد کے بیان کے مطابق مذہبی جذبہ شدت پکڑتا جا رہا ہے اور ماؤ حکومت کے خاتمہ کے بعد سنکیانگ کے مسلمانوں کو کافی مذہبی آزادی ملی ہے۔

مشرقی بعید کے ملکوں کو دیکھئے تو وہاں بھی سماں کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے۔انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلامی ملک ہے آبادی ۱۴ کروڑ ہے۔جن میں سے ۱۳ کروڑ مسلمان ہیں یہ تیرہ کروڑ مسلمان کیا کر رہے ہیں۔اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سالہا سال سے اسلامی تحریکیں چل رہی ہیں۔آج کل دار السلام کی تحریک زوروں پر ہے جس کا مقصد انڈونیشیا کو دار السلام یعنی اسلام کا گھر بنانا ہے۔دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت میں اسلام کا مستقبل درخشاں ہے۔ان دنوں وہاں "کمانڈ جہاد" کی تحریکیں چلی ہوئی ہیں یہ پر امن جہاد

ہے۔ جاوا اور سماٹرا وغیرہ میں بھی اس کا بہت زور ہے۔ اس تحریک کے کارکن اسلحہ کے بجائے اخلاق حسنہ سے کام لے کر عوام کو اسلامی تقاضوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ انڈونیشیا کی طرح ملائشیا میں بھی اسلام زبردست تقویت پکڑ رہا ہے۔ یہ بھی مسلم اکثریت کا ملک ہے۔ وہاں ان دنوں "دکوہ تحریک" بہت زوروں پر ہے یہ دکوہ تحریک تبلیغ اسلام کی تحریک ہے جو غیر مسلموں کو راہ پہ لانے کے لیے چلائی گئی ہے۔ حکومت بھی اس تحریک کا ساتھ دینے پہ رضامند ہے۔ گذشتہ دسمبر کو حکومت کے تعاون سے ماہ تبلیغ منایا گیا۔ اس موقعہ پہ وزیر اعظم داتو حسین بن عون نے کہا کہ اسلام کو تلوار کے بجائے پُرامن طریقے سے غیر مسلموں تک پہنچایئں۔ اسلامک دکوہ فاونڈیشن ملائیشیا، اور فیڈریشن آف ملائیشین مسلم اسٹوڈنٹس بھی اس تبلیغ میں مصروف ہیں اور ان کی کوششوں سے اب تک ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے ملائیشیا میں غیر اسلامی لباس کا بائیکاٹ کیا جانے لگا ہے اور عورتیں باپردہ ہو گئی ہیں یہی حال ایران کا ہے۔ جب کہ مغربیت نے عورتوں میں آزادی کے نام سے جو بے راہ روی پھیلائی تھی۔ اس پہ اکبر الہ آبادی جیسا شاعر افسوس سے چیخ پڑا

~ بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بی بیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا

فلپائن، برما، سنگاپور وغیرہ میں بھی مسلمان اپنے طور پہ اسلام کو روشناس کرا رہے ہیں۔ افریقہ میں اسلام کا کیا حال ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی کونسل آف یورپ کے سیکریٹری جنرل مسٹر سالم عزام نے حال ہی میں پرتگال ٹیلی ویژن کو لندن میں

ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔ افریقہ میں اسلام کا مستقبل بے حد تابناک ہے اسلام افریقہ میں ہر جگہ پھیل رہا ہے۔ شمالی افریقہ میں تو اس کا زور تھا ہی اب جنوبی افریقہ کے ملکوں میں بھی بڑھ رہا ہے۔ بعض افریقی ممالک میں مسلمان سو فیصدی ہیں اور اسلام سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں اور بعض میں ۵۰ فی صد سے زائد۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات سراسر غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے دل میں اتر جانے والے پیغام کے سبب پھیلا ہے۔ افریقہ کے متعدد ملکوں مثلاً اریٹریا اور موزمبیق پر کمیونسٹوں کی طرف سے بے تحاشہ مظالم ڈھائے جانے کے باوجود وہاں کے مسلمانوں کا جذبہ حوصلہ پست نہیں ہوا بلکہ بڑھتا جا رہا ہے۔

عرب کے متعلق مغربی پریس یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ عرب پہلے اور مسلمان بعد میں ہیں یہ بات بیسویں صدی کے وسط تک درست تھی لیکن اب درست نہیں عرب عوام اب اس حقیقت سے آشنا ہو گئے ہیں کہ ہم عرب بن کر نہیں بلکہ مسلمان بن کر جی سکیں گے اور باعزت مقام پا سکیں گے چنانچہ ان میں اسلام کا جوش ایک مرتبہ پھر تازہ ہونے لگا ہے۔ یہ تبدیلی خاص طور پر سعودی عرب کی مرہون منت ہے جو چاہتا ہے کہ اشتراکیت اور مغربیت کے درمیان اسلام ایک ایسی قوت بن کر ابھرے جو اشتراکیت اور مغربیت کی دھجیاں اڑا دے۔ اب سرزمین عرب سے یہ آواز بھی بلند ہونے لگی ہے کہ اگر تمام مسلم ممالک یکجا ہو جائیں تو ایک زبردست قوت بن سکتے ہیں۔ غالباً اس منزل تک پہنچنے کے لیے مسلم ممالک کی مشترکہ فوج بنانے کی تجویز

بھی پیش کی جارہی ہے۔ اہل عرب کا انداز فکر اب نَحْنُ عَرَبٌ (ہم عرب ہیں)، سے نَحْنُ مُسْلِمُوْنَ (ہم مسلمان ہیں)، کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ اہل عرب سے متعلق یہ غلط فہمی بھی دور ہو رہی ہے کہ وہ اپنی دولت کو عیش و عشرت میں ضائع کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سوائے چند بد دیانت دشمنوں کے جو عرب کی دولت برباد کر رہے ہیں۔ اکثریت اپنے ملک میں تعمیری کاموں کے ساتھ ساتھ دوسرے کمزور مسلم ممالک کی اعانت بھی کر رہے ہیں۔ آج عرب اپنے تیل کی بدولت دنیا کی معیشت کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان اثرات کا یہ عالم ہے کہ کبھی لندن سے صدا بلند ہوتی ہے کہ انگریز اپنے ہی وطن میں بے گھر ہوئے جا رہے ہیں۔ اور سارے ملک پر عربوں اور ایشیائی باشندوں کا تسلط قائم ہوتا جا رہا ہے کبھی واشنگٹن واویلا کرتا ہے کہ کیا عرب سارے ملک کو خرید لیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا کی بڑی طاقتیں عربوں کی دولت سے خائف نظر آتی ہیں۔ کیا یہ بات اسلام کے حق میں نہیں جاتی آج یورپ میں ہر سال مسجدوں پر مسجدیں بن رہی ہیں۔ ایک عربی اخبار "الافق الجدید" کے مطابق گزشتہ سال یورپ میں مسجدوں کی تعمیر کا سال قرار دیا گیا مطابق میں اب ۱۸۳ مساجد ہیں جن میں سے ۷۵ صرف لندن میں ہیں۔ غرض کہ یہ باور کرنے کی معقول وجوہ نظر آتی ہیں کہ دنیا میں اسلام ایک مرتبہ پھر غالب ہونے والا ہے۔ تونس، مراکش، الجزائر، لیبیا اور مصر سے لے کر شام، عراق، ایران، پاکستان، ترکستان، افغانستان، انڈونیشیا، ملائیشیا تک ہر جگہ کے مسلمان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواہاں اور اسلامی نظام کے دلدادہ نظر آتے ہیں۔ محترم میں اب ان اسباب

پر بحث کروں گا جو مسلمانوں میں اسلام کے نشاۃ ثانیہ کا باعث بنے اور انہیں
جہاد کی ضرورت پر اکسایا اور ان کو بت شکنی پر مجبور کر رہے ہیں اس کا ایک
سبب تو اشتراکی اور مغربی نظام کی بے راہ روی اور مادہ پرستی ہے۔ جس
کے ہولناک اثرات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ جب کہ دوسری بڑی وجہ
بڑی طاقتوں کے ہولناک عزائم اور توسیع پسندی کا رجحان ہے۔ اس میں
تو کوئی شک نہیں کہ بیشتر ادوار ماضی کی طرح آج کے دور میں بھی بڑی طاقتوں
کی طرف سے سب سے زیادہ خطرہ مسلمان ممالک کو ہی ہے۔ کم ہی مسلم ممالک
ایسے ہوں گے جنہیں مستقبل بلکہ وجود سے متعلق تشویش نہ ہو۔ مشرق وسطیٰ میں
بالخصوص مقاماتِ مقدسہ کے لیے صیہونیت ایک مسلسل خطرہ بنی ہوئی ہے۔
صیہونیت کے بڑے بڑے ہولناک عزائم ہیں۔ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ
تک کا جھنڈا اڑانا چاہتی ہے۔ ان عزائم کے پیچھے اسے ایک سپر پاور امریکہ
کی سرپرستی حاصل ہے جو بظاہر تو امن کا علمبردار بنتا ہے لیکن درپردہ صیہونیت
کی جڑیں مضبوط کرتا رہتا ہے تاکہ مشرقِ وسطیٰ میں اس کے مفادات کو
نقصان نہ پہنچے اگر خدانخواستہ صیہونیت کے عزائم پورے ہو جائیں تو اس
کا دوسرا مطلب صرف مشرقِ وسطیٰ ہی کا خاتمہ نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام
کا خاتمہ ہو گا۔ ادھر جنوب ایشیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی محتاجِ بیان نہیں
ایران افغانستان میں آگ بھڑک رہی ہے۔ ترکی میں شعلے بھڑکنا چاہتے
ہیں۔ پاکستان کو طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ سیٹو کا حلیف ہونے
کے باوجود پاکستان کے ۱۹۷۱ء میں دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور امریکہ کا

بحری بیڑہ بحر ہند میں چکر لگا کر واپس چلا جاتا ہے اور پاکستان کے بازو سے خون رسنے لگتا ہے۔ روس وارسا پیکیٹ بنا کر جنوب مشرقی ایشیاء میں اپنی بالادستی قائم کر لیتا ہے اور یورپ کے کمیونسٹ ملکوں کو ساتھ ملا کر کمیونزم کی بنیادیں مضبوط کرتا ہے اور دوستی کے معاہدوں کے روپ میں جنگی معاہدے کرتا ہے اس کی حالیہ مثال افغانستان کی کمیونسٹ حکومت ہے۔ جس کے خلاف مجاہدین اسلام نے اعلان جنگ جاری رکھا ہوا ہے۔ روس اور امریکہ سالٹ (تخفیف اسلحہ کا معاہدہ) کا معاہدہ کرنے کے باوجود ہائیڈروجن و ایٹم بم دھڑا دھڑ بنائے چلے جا رہے ہیں اور اپنی فوجوں کو ایٹمی ہتھیاروں سے مسلسل لیس کر رہے ہیں افریقہ میں روس کی حامی ایتھوپین فوجیں اور کیوبن فوجیں اریٹریا کے مظلوم اور نہتے مسلمانوں پر نیپام اور کلسٹر بموں سے حملے کر رہے ہیں اور اکثر افریقہ کے مسلم ممالک کے عوام کی بیداری کے "جرم" میں ہدف ستم بنایا جا رہا ہے۔ غرض دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک مسلمانوں کے لیے آفت ہی آفت ہے۔ انہیں اپنے گھروں میں بھی نہیں بیٹھنے دیا جاتا۔ بیرونی سازشیں ہر لمحہ ان کے درپے نظر آتی ہیں کشمیر اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کو ناجائز طور پر ان کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ دنیا کا یہ سلوک نیا نہیں ہے۔ طاغوتی قوتوں نے کبھی انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ ان طاقتوں کی مہربانیوں سے ہر دور میں مسلمانوں کے سر پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہی اور آج بھی لٹک رہی ہے۔ فرق صرف اتنا

ہے کہ پہلے مذہب کا نام لے کر کھلے بندوں صلیبی جنگیں لڑی جاتی تھیں تو آج مختلف ازموں کا نام لے کر اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو زیر کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ پہلے چوری چھپے اندرونی طور پر مسلمانوں کو جنس جوا اور شراب کا عادی بنا کر ان کی کردار کشی کی جاتی تھی۔ اب کھلے بندوں عریاں فلموں شراب کی برآمد ہوس زر اور سامان تعیش برآمد کر کے ان کے اخلاق کو کردار کو لگاڑا جاتا ہے۔ انہیں جدید ٹیکنالوجی کے بجائے ٹی وی اور فرج فراہم کئے جاتے ہیں۔ اپنا لباس اور اپنی زبان ان پر مسلط کر کے انہیں اپنے تمدن میں رنگنے کی کامیاب کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح مسلمان مسلمان تو ہوتا ہے لیکن برائے نام تہذیب اور تمدن عیسائیوں کا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے اپنی قوم کی اس روش کو دیکھ کر بڑے پاس سے فرمایا تھا کہ مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب صلیبی تہذیب و تمدن مسلمانوں پر غالب آجائے گا پھر مسلمان برائے نام مسلمان ہو گا لیکن میری بات غور سے سن لو اگر مسلمانوں نے صلیبی تہذیب کو اپنایا تو وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ ایوبی کی پیش گوئی کس قدر درست ثابت ہوئی اس کا اندازہ ہمیں آج کا دور دیکھ کر اچھی طرح ہو جاتا ہے۔ مغرب نے اہل اسلام پر اپنا تمدن مسلط کر کے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ ان کامیابیوں سے بدرجہ بڑی ہیں جو انہوں نے میدان جنگ میں حاصل کی تھیں اور پھر جب مسلمان دنیا میں ذلیل و خوار ہوا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث یاد آئی۔

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ : تمام کفار ایک ہی قوم ہیں۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔

ترجمہ: جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی پس وہ انہی میں سے ہے۔

اس لیے اب مسلمان غلامی کا یہ طوق اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں غرض بڑی طاقتیں بڑے بڑے ازموں کا نام لے کر اسلام کی فنا کے چکر میں ہیں اور ان کے عزائم کم از کم اسلام کی حد تک وہی ہیں۔ جو ان کے آباؤ اجداد کے تھے یہ عزائم چودہ سو سال سے چلے آرہے ہیں پہلے اسلام کو ختم کر دینے کی کوشش کی گئی لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہو سکی تو صلیبی جنگیں چھیڑی گئیں۔ ان میں بھی کامیابی نہ ہو سکی تو طرح طرح کی سازشوں اور کردار کشی بھی برین واشنگ کے ذریعے یکے بہ دیگرے مسلم ممالک کو غلام بنایا اور انہیں سیاسی، اقتصادی، ثقافتی، تمدنی اور سماجی لحاظ سے مفلوج اور نکما بنا دینے کی لگاتار کوشش کی گیئں لیکن سخت جان مسلمان اس پر بھی نہ مٹ سکے۔ کمزور پڑ گئے۔ بے اثر ہو گئے۔ مفلوک الحالی کے درجے تک پہنچ گئے لیکن معدوم نہیں ہوئے۔ دین کے اعلیٰ اوصاف و عمدہ کردار سے دور ہو گئے پھر بھی دین کی روح باقی رہی اور روح کی بھی پیاس اب جہاد کی صورت اختیار کر رہی ہے اور اب اگر مسلمانوں نے اسلام کے لیے ملّت اسلامیہ کی بقاء کے لیے جہاد کیا تو یقیناً اسلام دنیا کے بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھلائے گا۔ مادہ پرستی کے بجائے خدا پرستی ہو گی۔ نفرت کی، بجائے محبت اور یگانگت جگہ لے گی اشتراکیت اور مغربیت کا جنازہ خود اس کے رائج کرنے والوں کے ہاتھوں نکلے گا۔

یہ تھے وہ اسباب جو مسلمانوں کو بیدار کرنے کا باعث بنے اور اب مسلمان آہستہ آہستہ اپنے وجود کو تسلیم کراتے چلے جارہے ہیں اور یورپ و امریکہ واشتراکی دنیا کے لاکھوں لوگ اب اسلام کی وحدت کو دل سے تسلیم کرنے لگے ہیں۔ اسلام کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ مغربی اور اشتراکی نظام چاہے اس کی کتنی ہی تعریف کیوں نہ کی جائے۔ انسان کو بے حس اور مشینی پرزہ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ روس میں اشتراکی نظام زراعت ہونے کے باوجود غلّہ کے باب میں خود کفیل نہیں ہے۔ اشتراکیت اجتماعی زندگی پر اس طرح زور دیتی ہے کہ افراد کی حیثیت مشین کے بے جان پرزوں سے زیادہ نہیں رہتی اور مغربی جمہوریت افراد کے ذاتی فعل سے اس طرح لاتعلق رہتی ہے کہ وہاں کا ہر شخص بے لگام ہوجاتا ہے اور یوں بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ گویا دونوں نے افراط وتفریط کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے۔ جب کہ اسلام ان دونوں کے بیچ کے اعتدال کی راہ بتلاتا ہے اور اسی کو صراطِ مستقیم کا راستہ قرار دیتا ہے اسلام کی مقبولیت کی یہی وجہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ غیر جانبدارانہ نظر رکھنے والے مغربی دانشوروں کی توجہات کا مرکز بنتا جارہا ہے۔ اس لیے یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اسلام کے مخلص ارباب حل وعقد خاص وعام پوری شدومد سے بغیر کسی لالچ اور ذاتی فائدے کے علمی، قلمی، زبانی اور جسمانی جہاد کا آغاز کرکے انسانیت کو ایک نئے رُخ پر ڈالیں اور سسکتی ہوئی انسانیت کو اسلام کا راستہ دکھا کر سکون قلب وروح دین اور حقانیت کی طرف رجوع کریں۔

# طرزِ جہاد

طاہر انیس کراچی ۳

جنگ کا تصور دنیا کے تمام قبائل اور قوموں میں اس وقت سے پایا جاتا ہے۔ جب سے ان کی تشکیل ہوئی ہے۔ یہ جنگیں مختلف وجوہ کی بناء پر لڑی جاتی رہی ہیں۔ اگر ہم ان وجوہ کا تجزیہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جنگوں کے پیچھے بنیادی طور پر صرف دو عوامل ہی کار فرما ہوا کرتے ہیں۔

(۱) جارحانہ اقدام۔

(۲) ملک و قوم کا دفاع۔

ان عوامل پر مزید غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ تمام جنگوں کی اصل وجہ جارحانہ اقدام ہی ہوا کرتے ہیں اور جو قوم دفاعی جنگ لڑتی ہے۔ وہ کسی دوسری قوم کے جارحانہ اقدام کے نتیجے ہی میں ایسا کرتی ہے۔

ہمارے مذہب اسلام نے جہاں زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی کی ہے۔ وہاں انسانی زندگی میں پیش آنے والے اس اہم معرکے کے بارے میں بھی ایک مکمل ضابطہ ہمیں دیا ہے۔ اس ضابطے میں جنگ کا تصور دنیا بھر میں لڑی جانے والی جنگوں سے قطعی مختلف ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ کہ اسلام کے تصور جنگ اور دیگر اقوام کے تصور جنگ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلام نہ تو کسی قوم کو اپنی نسلی برتری ثابت کرنے کے لیے جنگ

کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کا خیال تھا۔ اور نہ کسی قوم کو اس لئے جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنا اقتصادی نظام دنیا بھر میں مسلّط کرتی پھرے۔ جیسا فی زمانہ روس کر رہا ہے۔ اسی طرح اسلام میں صرف اپنے ملک کی سیاسی برتری ثابت کرنے کے لیے بے گناہ عوام پر اس بمباری کی کوئی اجازت نہیں ہے جس کا امریکہ ویتنام میں وحشت ناک مظاہرہ کر چکا ہے اور نہ اسلام ان خاندانی رنجشوں کی بنا پر جنگ کو جائز سمجھتا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا شیوہ تھیں۔

اسلام نے سب سے پہلے تو جنگ کے لیے لفظ "جہاد" کا استعمال کیا ہے۔ جو بہت وسیع معنی رکھتا ہے۔

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کوشش کرنا۔ مذہبی اصطلاح میں جہاد کسی بھی ایسی کوشش کو کہتے ہیں جو خدا کے دین کو پھیلانے کے لیے کی جائے۔ چاہے وہ تلوار سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے اس لحاظ سے جہاد کی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں۔

(۱) جہاد بالسیف اور جہاد بالمال (۲) جہاد بالقلم (۳) جہاد باللّسان (۴) جہاد بالنفس۔

چونکہ عام طور پر جہاد سے مراد جنگ ہوتی ہے اس لیے سب سے پہلے اس پہلی قسم کے جہاد کا تذکرہ مناسب ہے۔

**جہاد بالسیف:** ۔ اسلام میں جن عوامل کی بنا پر جہاد یا جنگ کی

اجازت ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ملک وقوم کا دفاع ۔ (۲) زمین پر خدائے واحد کی حکمرانی۔

ملک وقوم کے دفاع کی ضرورت کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ کسی قسم کی بحث کا محتاج نہیں ۔ ظاہری بات ہے کہ اگر کسی قوم نے اس دنیا میں اپنا وجود برقرار رکھنا ہے تو اسے ہر وقت چوکنا رہنا پڑے گا تاکہ کوئی دوسری قوم اس کو نیست ونابود نہ کر سکے۔

جنگ کا یہ تصور زمانہ قدیم سے انسانی ذہنوں میں ہے۔ چونکہ قوم کی بقاء کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں اپنا دفاع کرنے کی پوری پوری صلاحیت ہو اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔

"اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو۔ جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہو گا۔" (سورہ الانفال آیت ۶۰)

اس کے بعد اسلام نے ان تمام بنیادوں کی جڑیں کاٹ دیں جو کسی نہ کسی طور پر جارحانہ جنگ کو تحریک دیتی تھیں۔ مثلاً لسانی، خاندانی، نسلی سیاسی، معاشی، قومی اور دفاعی برتری کا احساس احادیث میں نہیں آیا ہے۔

(۱) "کسی عربی کو عجمی پر۔ اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ مگر تقویٰ سے۔"

(۲) "کسی نے اگر کسی دوسرے کی زمین کے ایک بالشت حصّہ پر بھی ناجائز طور پر قبضہ کیا تو قیامت کے دن اس کے گلے میں سات گنا بڑی زمین کا طوق ڈالا جائے گا۔"

(۳) "جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے، جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

اس طرح اسلام نے جارحانہ جنگ کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں چھوڑا دفاعی جنگ کے علاوہ اب رہی وہ دوسری قسم کی جنگ جس کی اسلام اجازت دیتا ہے بلکہ حکم بھی دیتا ہے وہ ہے خدا اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے جہاد، ارشاد خداوندی ہے۔

اے ایمان والو! "ان کافروں سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے" سورۃ الانفال آیت نمبر ۲

جہاد کا اتنا عظیم مقصد متعین کرنے کے بعد بھی اسلام جنگ کرنے کا حکم صرف اسی وقت دیتا ہے۔ جب کوئی قوم اسلامی سلطنت کے خلاف قدم اٹھائے۔ رہا بیٹھے بٹھائے کسی قوم پر حملہ کر دینا تو اس کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ۲۷ غزوات اور بہت سے سرایا پیش آئے، اس کے علاوہ بھی خلفائے راشدین کے دور میں بھی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا مگر اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں

نے کبھی بھی کسی جنگ کا آغاز جارحانہ کارروائی کر کے نہیں کیا۔

جہاد بالمال:۔ اگرچہ زمانہ امن میں بھی تبلیغی مقاصد کے لیے خرچ کی گئی رقم کو جہاد میں شمار کیا جا سکتا ہے مگر اس کی اصل ضرورت اس وقت پڑتی ہے۔ جب مسلمان فوج جنگ میں برسرپیکار ہو۔ ایسے میں مسلمانوں کا اپنی فوج پر رقم خرچ کرنا مال سے جہاد کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔

جہاد بالقلم:۔ قلم کے ذریعہ جہاد شاید دوسری اقوام کے نزدیک بڑا عجیب تصور ہو مگر اسلام میں ہر اس تحریر کو جہاد کا درجہ دیا جاتا ہے۔ جو مذہب کی حفاظت اور اس کی تبلیغ کے لیے ہو۔ ہمیشہ سے اسلام دشمنوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اسلام پر مختلف الزامات لگاتے رہے ہیں اور ان کی اشاعت کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے تمام الزامات کا جواب لکھیں اور کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر ان کی اشاعت کریں۔ وہ شاعری بھی جو اس مقصد کے لیے کی جائے۔ جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ حضرت کعب بن مالک رضؓ سے فرمایا تھا کہ "کافروں کی ہجو کہو، کیونکہ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تمہارا اشعار ان کے حق میں تیر سے زیادہ تیز ہے۔

جہاد باللّسان:۔ زبان سے جہاد کرنے سے مراد بھی یہی ہے۔ جس کا ابھی جہاد بالقلم کے عنوان سے ذکر ہوا۔ بس فرق اتنا ہے کہ یہاں وہی تمام باتیں تقریر کے ذریعہ پیش کی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا

ارشاد ہے کہ "مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی"۔

اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ بعض اوقات جنگوں میں مسلمان سپہ سالاروں کی تقریروں نے جوش و ولولے کی ایسی روح پھونکی اور وہ کام کیا۔ جو شاید ڈھیروں اسلحے کی موجودگی بھی نہ کر سکتی تھی۔

جہادِ بالنّفس:۔ جہاد کی اس چوتھی قسم کا درجہ انتہائی بلند ہے۔ حتیٰ کہ زمانۂ امن میں اس کے درجہ کی اہمیّت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ سے کہا کہ اب ہم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی جانب جا رہے ہیں۔ صحابہؓ نے حیرت سے پوچھا کہ یہ بڑا جہاد کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے نفس کے خلاف جہاد۔

واقعی نفس کے خلاف جہاد بہت ہی کٹھن ہے اور بلاشبہ مشکل ترین ہے۔ آج کے دور میں مسلمان قوم بعض جگہ میدان جنگ میں بھی اپنا سکہ جما چکی ہے۔ مثلاً ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ، اس کے علاوہ ترکی کا قبرص پر حملہ۔ ہمارے پاس جہاد بالقلم کے سلسلے میں اس قدر مذہبی لڑیچر ہے کہ ایک آدمی اپنی ساری زندگی میں بھی اس کا مکمل مطالعہ نہیں کر سکتا ہمارے مقررین نے جہاد باللّسان کے جو جوہر دکھائے ہیں۔ ان کی دنیا معترف ہے ہماری قوم میں جوہر، ابوالکلام آزاد، بہادر یار جنگ اور شورش کاشمیری جیسے مجاہدوں کی کمی نہیں۔ مگر جہاد بالنّفس کا معاملہ ایسا ہے کہ اس محاذ پر آج کل کے مسلمان بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ اس کی شاید سب سے

بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نفس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس کے خلاف جہاد کرنے کا سوچتے ہی نہیں - اپنی خواہشات لالچ اور شہوت کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنے اس بڑے دشمن کو بھلا دیا۔ جو شیطان کا سب سے بڑا آلۂ کار ہے -

کاش مسلمانوں کو اس بڑے جہاد کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے - اور یقیناً مسلمانوں کو اس بات کی تربیت دینا بھی بہت بڑا جہاد ہے کہ وہ اپنے نفس کے خلاف جہاد کریں -

کیونکہ خدا نے مسلمانوں کے جان و مال کو خرید لیا ہے۔ تاکہ انہیں جنّت دی جائے -

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَمْوَالَھُمْ وَاَنْفُسَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ

ے نہ مسجد میں نہ منبر میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

# الجہاد

محمد الیاس فیصل ۔ لاہور

جہاد مشتق ہے "ج ھ د" سے جس کا معنیٰ ہے کوشش محنت سعی اسی سے اجتہاد ہے اجتہاد ۔ جہاد علم و عمل ۔ ۔ ۔ جہاد کا اطلاق ظاہری اور عملی محنت و مشقت پر ہوتا ہے اور اجتہاد کا اطلاق ذہنی و دماغی کاوش پر (علم)، اللہ عزّوجلّ نے انسان کو اس دنیا میں عظیم تر مقصد کے لیے بھیجا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا وہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے اس دنیوی زندگی میں امن و امان کا قیام بنیادی طور پر ضروری ہے کہ شر و فساد اس مقصد کے حصول میں مزاحم نہ ہو ۔ امن و امان قائم رکھنے اور شر و فساد کو مٹانے کے لیے ابتداً کسی فرد یا قوم کو علم و عقل دلائل و براہین (اجتہاد) کی طاقت سے سمجھایا جائے لیکن اگر یہ کوشش سود مند نہ ہو تو اس کے لیے عملی اقدام (جہاد) ناگزیر ہو جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جسم انسانی میں جب فساد پیدا ہوتا ہے تو علاج بالدواء کیا جاتا ہے جس کے ناکام ہونے کی صورت میں اس فاسد حصۂ جسم کو کاٹ دیا جاتا ہے (فاسد حصہ کے فساد کو جڑ سے اکھیڑ دو کہ صحیح حصۂ جسم بھی اس سے متاثر نہ ہو) ۔ اس طرح مجموعی سطح پر اگر قیام امن کی ابتدائی کوشش ناکام ہو جائے تو انتہائی اقدام جہاد ہے کہ فتنہ و فساد کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں خیر و شر امن و فساد ۔ دونوں قوتیں رکھی ہیں ۔

امن پسندی کو مستحسن کہا عبادت سے اس کا وسیع مفہوم مراد ہے جو زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہے اور شر پسندی کو غیر مستحسن۔ مصلحین کو حزب اللہ اور مفسدین کو حزب الشیطٰن کہا مع ھذا کچھ لوگ امن پسند جب کہ کچھ شر پسند ہیں۔ امن پسندی یہ ہے کہ خود بھی امن رہیں اور قیام امن کے لیے کوشاں رہیں۔ اگر امن کے قیام کی تمام کوششیں غیر موثر ہو جایئں تو پھر آخری اقدام کہ اس شر پسند گروہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔ اس راہ میں حائل رکاوٹ کو ہٹا دو۔ یہ جہاد اس آیت میں یہی تصور بیان ہے اور اسی جہاد کا حکم ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ ۝

ترجمہ:- اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں۔

امن پسند جماعت کا شر پسند گروہ سے قیام امن کے لئے قتال۔

اس تفصیل سے قیام امن کے دو پہلو سامنے آئے" اولاً علم و عقل کی بنیاد پر اصلاح احوال کی کوشش جو کہ جمال کا پہلو اور انتہائی و عملی اقدام جہاد جو کہ جلالی"۔ دنیا میں جو ادیان و مذاہب رائج ہیں ان میں سے عیسائیت نے تو صرف جمالی پہلو کو لیا ہے اور وہ بھی اس ابتدائی مرحلہ میں جس میں اصلاح کا عنصر مغلوب بلکہ مفقود ہے۔ جلالی پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس موضوع سے متعلق عیسائی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ" دشمن سے بھی پیار کرو بدی کی مدافعت نہ کرو۔ ایک گال پہ طمانچہ کھا کر دوسرا گال بھی پیش کر دو۔

قوت کا مقابلہ قوت سے نہ کرو۔ دینادی قوت کا استعمال تو قیصر کے لیے ہے۔ چاہیے وہ ظلم کرے مگر مظلوم کے دل میں جذبۂ انتقام پیدا ہونا اور اس کا خیال آنا بھی گناہ ہے۔ مظلوم کے لیے تو بس آخرت کی بادشاہت ہے" ان تعلیمات کے نتیجہ میں طاغوتی طاقتیں بے لگام ہوں گی۔ ظالم ظلم کرے تو مظلوم کو درگزر کا سبق جو ملتا ہے مگر ظالم کے ظلم کو مٹانے کی کوئی تدبیر نہیں۔ عدم مدافعت اور دشمن سے محبت کا تصور ایسا غیر فطری ہے جس پر عمل تقریبًا ناممکن ہے۔ نیز اس کے نتیجہ میں جور و استبداد ظلم و تشدد کا غلبہ ہوگا اور بجائے اس کے کہ دنیا امن و امان کا گہوارہ بنے۔ شر و فساد پروان چڑھ جائے گا۔ ایسی صورتحال میں کوئی شخص مقصد تخلیق کو پورا نہ کر سکے گا۔

دوسرا نقطۂ نظر وہ ہے جس میں صرف جلالی پہلو کو لیا گیا ہے۔ اور جمال کا پہلو یکسر مفقود ہے ہیگل کا فلسفہ اضداد کہ دو قوتوں کے تصادم کے بعد غالب آنے والی قوت صحیح ہے بغیر اس معیار کو دیکھے کہ کس کے ساتھ ہے

گویا ڈاکو اگر کسی سے کچھ چھین کر اس کو مار بھی دیتا ہے۔ تو اس کو یہ حق حاصل ہے چونکہ وہ طاقت کی بنا پر غالب آیا ہے۔

ع ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس کے قریب قریب مارکس کا فلسفۂ ملیت دلبقائے صلح)

جنگ و جدل کے بعد جو طاقت بچ جائے وہی صحیح ہے۔ یہ غلبہ کس طرح

حاصل ہو۔ مکروفریب کے ذریعہ یا ظلم وتشدد کے سہارے اس فلسفہ نے انسان سے جو کچھ چھینا وہ بہت قیمتی ہے۔ اس چیز سے جو اس نے دیا ہے۔ (۱) انسان کو خود غرضی لالچی بنا دیا (۲) حسد وبغض کی وہ آگ جلی کہ ایک ہی نظریہ کے لوگوں کو آپس میں لڑا دیا (چین وروس) (۳) انسان کو طاقت کا پجاری بنا دیا۔ (۴) انسان کو موقع پرست بنا دیا اس کو دانائی تصور کیا جانے لگا۔

تمام کمیونسٹ معاشرہ لبقائے صلح کے اسی قانون پر چل رہے ہیں۔ سٹالن نے بتیس سال حکومت کی ہر اٹھنے والی آواز کو خاموش کرا دیا۔ ہر اٹھنے والا سر کٹوا دیا۔ ہر مخالف کو دبایا پھر خروشچیف نے بھی طاقت اور صرف طاقت کے اصول کو مما بعد حکومت کی۔ اس فلسفہ نے شخصی آزادی کو چھین لیا نظریاتی حریت کو ختم کر دیا اور ایک ہی شخص کی لاٹھی سے پوری قوم کو ہانکا گیا چونکہ اس کے پاس لاٹھی ہے۔ اس فلسفہ نے "ڈکیٹر" کو سب کچھ دیا۔ مگر ماتحت انسانیت کو سوائے غلامی کے کچھ نہیں دیا۔ یہاں انسان بھیڑ بکری سے زائد کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

الحاصل :۔ جمال وجلال جو باہم روح وجسم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے عیسائیت نے صرف روح (جمال) کو لے لیا اور اشتراکی فلسفہ میں صرف جلال (قتال) پر زور ہے۔ اس دار الاسباب میں جس طرح روح بغیر جسم کے اور جسم بغیر روح کے کوئی حقیقت نہیں رکھتے اسی طرح یہ دو انداز فکر بھی انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

ان کے مقابلہ میں اسلام نے جلال و جمال کا وہ حسین امتزاج پیش کیا ہے جو عین فطرت ہے۔ جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں مبتلا انسانیت پر جب رشد و ہدایت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ابتدائی تیرہ سال اس معاشرہ کو دلائل و براہین اور خالص علم و دانش پر مبنی اندازِ فکر سے امن پسندی کی تلقین کی گئی اور مقصدِ تخلیق سے روشناس کرانے کے بعد اس کو پورا کرنے کی نصیحت کی۔ جن عناصر میں قبولیتِ حق کی صلاحیت تھی۔ انہوں نے حق کو قبول کیا۔ دوسری جانب جو لوگ فطرت سے دور جا چکے تھے اور قبولِ حق کی صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے۔ یہ حق کو قبول کرنے کی بجائے اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئے اور اصلاح کی بجائے فساد کرنے لگے تو جہاد کے ذریعہ اس شر پسند گروہ کو ختم کر دیا گیا جو کہ امن پسند اعتدال پسند اور ترقی یافتہ معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں حائل تھا۔ جمال و جلال کے اس امتزاج کے متعلق مضطر مرحوم فرماتے ہیں۔

ہمارے اِک ہاتھ میں کتابِ خدا تھی شمشیر دوسرے میں
جمال تقدیر ایک میں تھا جلال تقدیر دوسرے میں

ہم آدمیت کے پاسبان تھے ہم اس کے جوہر ابھارتے تھے
اگر مصلّے پہ شب تو گھوڑوں کی پشت پہ دن گزارتے تھے

اسلام میں جہاد کا تصور:۔

امن و امان کو بحال کرنے اور بحال رکھنے فتنہ فساد کا انسداد کرنے کے لئے

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔ البقرۃ کفار سے

جہاد کرد تا آنکہ فتنہ وفساد ختم ہو جائے۔ اسی لیے جہاد کا تصور بہت عام ہے۔ فرد سے لے کر قوم تک "ہر قسم کی برائی کو ختم کرنے کی کوشش کرنا جہاد ہے۔ الجہاد بالنفس:۔ پہلے اپنا محاسبہ کرنا۔ خود کو معاشرہ کا صحت مند فرد بنانے کے بعد معاشرہ کی اصلاح اگر ہر مسلمان جہاد بالنفس (اپنا محاسبہ) کرے تو معاشرہ خود بخود سنور سکتا ہے۔ اپنی ذات کے بعد پھر برائی کو ہاتھ اور زبان سے روکو۔ من رای منکم نکیرا فلیغیرہ بیدہ وان لم یستطع (الخ) فبلسانہ (الی آخرہ)

جس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد مجاہد ہے وہ اپنے معاشرہ کو فساد سے پاک کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے کر گزرے اگر اس میں زور بازو ہے تو جرائم کی روک تھام کے لیے طاقت کا استعمال کرے ورنہ زبان سے سمجھائے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

حکمت ودانائی اور اچھے انداز سے دوسروں کو راہ ہدایت کی طرف بلائے۔

اور موسیٰؑ وہارونؑ کو حکم "فقولا لہ قولاً لیناً" فرعون سے نرم بات کرنا۔

۔جب ہم سے

بہتر کو حکم نرمی سے بات کرو تو ہم کیونکر سخت لہجہ استعمال کر سکتے" اور افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جابر۔ افضل ترین جہاد ظالم وجابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا" اور اگر جہاد کی اس قسم میں بھی عملاً حصہ لینے کی طاقت نہیں" پھر جہاد بالنفس پہ تو قائم رہے کہ خود اس جرم سے بچے اور اس کو دل میں برا خیال کرے۔ اس ضعف الایمان درجہ کو اگر ہر مسلمان اپنا لیں تو مسلم معاشرہ امن کا

گہوارہ بن سکتی ہے۔ اور اگر مسلم قوم دنیا سے شر و فساد کو مٹا کر امن و آشتی کو قائم کرنے کے لیے جہاد بالسیف کے لیے اٹھ کھڑی ہو تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی۔

مسلمان کی عزیز ترین چیز ایمان، اس کے بعد اس کی اپنی جان پھر اس کا مال۔ اگر جان پر مصیبت آئے تو مال کو قربان کر دے اور اگر ایمان کا خطرہ ہو تو مال و جان دونوں اللہ کے لیے قربان کرے اسی لیے قرآن میں ارشاد ہے۔

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۝ الخ

خدا کی راہ میں جہاد کر مال و جان کے ساتھ

ان اللہ اشتریٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَمْوَالَهُمْ وَأَنفُسَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

اللہ نے مومنین کا مال و جان جنت کے عوض خرید لیا۔

دورِ جدید میں جہاد کی اہمیت و ضرورت فکری نظری معنوی عقلی بنیادوں پر سامنے آچکی۔ جہاں بھی جہاد بالسیف کا حکم ہے وہاں فقط یہ اصلاح کے اعتبار سے مستعمل ہے اور مراد ہر زمانہ کے مطابق عملی جنگ ہے۔

دورِ جدید میں جہاد کی ضرورت عملاً اور مشاہدۃً

اقوامِ عالم کی تاریخ پہ نگاہ ڈالنے سے جو حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جن اقوام میں جذبہ جہاد بیدار ہوا اگر وہ غلام تھیں تو آزادی کی دولت سے مالا مال ہوگئیں۔ اس کے برعکس اگر آزاد اقوام میں جذبہ جہاد ماند پڑا تو اسی تناسب سے وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئیں۔۔۔۔

جس قوم میں جب تک جہاد کا جذبہ بیدار رہا۔ وہ قوم حکمران رہی دیگر اقوام نے

اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اسی جذبہ جہاد کی بدولت مجاہد قوم کے افراد اس قدر مامون و محفوظ ہوئے کہ کوئی دوسری قوم ان کے ایک فرد کو بھی نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ مسلم قوم میں بھی جب تک جذبۂ جہاد بیدار تھا مسلم قوم حاکم تھی معزز تھی۔ دیگر اقوام پر رعب و دبدبہ تھا۔ شاعر کہتا ہے۔

ہمارا ڈر تھا صلیبیوں کو ہماری ہیبت تھی آذروں پر
ہمارا سایہ ہمالیہ پر ہمارے دامن سمندروں پر

لیکن جب یہ جہاد ہماری عملی زندگی سے نکل گیا۔ تو ہم سے وہ سب کچھ چھن گیا جو ہم کو اس کی بدولت حاصل تھا۔ گویا قوموں کا عروج و زوال جہاد و عدم جہاد کا مرہون منت ہے۔

اقبال رح نے اس حقیقت کو ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ ؎

آ تجھکو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

تاریخ کا مطالعہ اسی نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے کہ ماضی کے تجربات کی روشنی میں مستقبل کی تعمیر کریں۔ نتیجۃً تاریخ یہی بتلاتی ہے کہ اگر کسی قوم کو باوقار زندگی گزارنی ہو تو یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب اس کا ہر فرد مجاہد ہو۔ عملاً ہر وقت جہاد کے لیے تیار ہو بلکہ اس موقعہ کا منتظر ہو۔ اسی عملی تیاری کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عن ابی ہریرۃ رض ان

اور دل میں جہاد کی تمنا ہو شہادت کی رغبت ہو" ارشاد گرامی۔

(ترجمہ)

(مسلم) حضرۃ سہیل بن حنیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے وہ کہ جس نے صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کا مرتبہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی مرے۔ اگر یہ دو صفتیں (عملی تیاری اور تمنائے جہاد) نہ ہو تو سخت وعہدوار ہے۔

(ترجمہ)

(مسلم) جس نے جہاد نہ کیا اور اپنے کو جہاد پر آمادہ بھی نہ کیا وہ نفاق کی ایک علامت پر مرا۔ ادیان عالم میں اسلام ہی نے جہاد کے متعلق واضح تعلیم دی۔ جس کے نتیجہ میں جہاد کی تیاری ایک دلچسپ مشغلہ اور جہاد ایک اہم ترین عبادت ہے۔ جہاد سے واپس زندہ لوٹا تو دنیا کا اجر بھی ملا اور آخرت کا بھی اور غازی کہلایا۔ اگر قتل ہوا تو شہید ہونے کا وہ بلند مقام حاصل ہوا۔ جس کے لیے حضرۃ خالد بن ولیدؓ (سیف اللہ) ترستے رہے (گویا کہ علماء نے اس میں یہ حکمت ذکر کی ہے کہ کہیں کفار ان کو شہید کر کے یہ نہ کہہ دیں کہ ہم نے خدا کی تلوار توڑ دی) اور جس شہادت کی تمنا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

ترجمہ

بنیؐ فرماتے ہیں چاہتا ہوں کہ راہ خدا میں جہاد کرتا ہوا شہید ہو جاؤں پھر زندہ ہو کر جہاد کروں اور شہید ہو جاؤں پھر زندہ ہو کر جہاد کر کے شہید ہو جاؤں اور شہادت کا مقام وہ ہے کہ جنت میں جا کر جب تمام خواہشات پوری ہوں گی مزید کسی چیز کی خواہش نہ ہو گی۔ مگر شہادت کی خواہش ہو گی

ترجمہ

فرمایا جنت میں کس کو دنیا میں آنے کی خواہش ہو گی۔ جب کہ اس کے لیے زمین پر بھی کچھ نہ ہو گا مگر شہید کو تمنا ہو گی کہ وہ واپس جائے اور دس دفعہ شہید ہو اس لیے کہ ایک دفعہ کے شہید کی بہت عزت و تکریم کی گئی ہے۔ اب ذہن میں وقتِ شہادت کی تکلیف کا تصور ہوتا ہے تو وہ بھی کچھ نہیں۔ بس ایک گھر سے اعلیٰ ترین گھر میں منتقل ہونا۔

ترجمہ

(ترمذی) فرمایا شہید کو قتل کی تکلیف اتنی ہوتی ہے جیسے تمہیں چیونٹی کاٹ لے جہاد کی اس قدر فضیلت ہے کہ شہید ہونا درکنار جسم زخمی ہو اس کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ۔

(ترجمہ)

قیامت کے دن زخمی آئے گا اور اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ جس کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور خوشبو مشک کی طرح بلکہ اس راہ کے غبار کی وجہ سے جہنم حرام ہے۔

ترجمہ (بخاری) فرمایا جن قدموں پر جہاد میں جاتے ہوئے راستہ کی دھول پڑ گئی۔ اس کو آگ نہ چھوئے گی (وہ جہنم میں نہ جائے گا۔ اور جہاد کی فضیلت میں ارشاد ہے۔

ترجمہ:۔ راہ خدا میں مجاہد کی ایک صبح یا ایک شام۔ دنیا دمافیہا سے بہتر ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر مومن کا اوڑھنا بچھونا ہی جہاد کو قرار دیا گیا ہے۔

ترجمہ

ایک شخص نے نبیؐ سے سیر و تفریح کی اجازت چاہی تو جواب ملا۔ میری امت کی سیاحت و تفریح خدا کی راہ میں جہاد ہے......

جہاد کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب تک مسلم قوم نے جہاد کو جاری رکھا اس وقت تک وہ دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تھی۔ مالی لحاظ سے مستحکم۔ سرحدوں میں وسعت ہو رہی تھی۔

ہمارے نقش عمل تھے ہنگری میں سرد یہ میں کریمیا میں
ہمارا سکہ رواں تھا بتونس میں الجزائر میں بغداد میں
فرانس واٹلی میں ہم نہ پہنچے کہ چین و ترکی میں ہم نہ پہنچے
وہ کونسا خطۂ زمین ہے جہاں ہمارے قدم نہ پہنچے

جب سے جہاد کو چھوڑا۔ عزت نے آگیرا اب اپنے وجود کو برقرار رکھنے میں اظہار کے متناج ہیں۔ مسلم سلطنت پھیلنے کی بجائے سمٹ رہی ہے۔

یہ آیت آج بھی ہمیں جہاد کی اہمیت بتا رہی ہے اور بھی چیزیں شاہد ہیں۔

اگر اللہ "عادل" لوگوں کے ذریعہ "ظالم و مفسد" انسانوں کو دفع نہ کرتا رہتا تو اتنا فساد ہوتا کہ عیسائیوں کے راہب خانے۔ گرجا گھر اور کنہنہ اور مجوس کے معبد اور مسلمان کی مساجد کو بھی منہدم کر دیا جاتا۔

یہ مسلمان

ہر قسم جہاد سے محروم ہے۔ جہاد بالسیف تو درکنار جہاد باللسان کی بھی اجازت نہیں اور ان کے علاوہ مسلمان بھی جو کہ سوشلسٹ ممالک سے ڈرنے کی وجہ سے جہاد نہیں کر رہے۔ نتیجۃً مساجد، معابد، گرجا گھر یا تو سرے سے منہدم کر دیئے گئے یا ان کی جگہ ہاسٹل ہسپتال، رہائش گاہ نے لے لی۔ آج اگر اپنی عزت و عظمت کو پھر سے بحال کرنا چاہتے ہو۔ عالم انسانی کو امن کا گہوارہ بنانا چاہتے ہو تو اس کا راستہ جہاد اور صرف جہاد ہے۔ اگر اب بھی ہم نے آنکھ نہ کھولی یہ انداز راہبانہ نہ بدلا تو گویا ہم نے خود اپنی تباہی کو دعوت دی۔

ہمیں یہ معلوم ہے کہ قوموں کی موت ہے طرز راہبانہ
کمال انسانیت کا ضامن ہے صرف کردار غازیانہ

# بیت المقدس اور کشمیر

محمد رفیق ٹھٹھ (سندھ)

قارئین کرام دور جدید میں جہاد کی ضرورت ہے یا نہیں اس بات کا فیصلہ اس وقت کیا جا سکتا ہے۔ جب ہمیں جہاد کا مفہوم معلوم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ جہاد کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور کن حالات کے تحت جہاد کیا جا سکتا ہے۔

جہاد کے لغوی معنی ہے کوشش، جدوجہد کرنا اصطلاح میں جہاد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اپنے آپ کو خدا کی راہ میں وقف کر دینا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کا ہر حکم اور ارشاد کو بجا لینے کا نام جہاد ہے۔ جہاد کے متعلق اگر کوئی رائے دینی ہے تو اس کو ہیں دلیلوں کے ذریعے اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے جہاد کی قسمیں اور وہ باتیں بتانی لازمی ہیں جس کے تحت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ واقعی موجودہ دور میں ہر قسم کا جہاد ضروری ہے۔ جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً جہاد فکری، جہاد نفسی، جہاد قومی، جہاد علمی، جہاد مالی وغیرہ ہیں اور جہاد بدنی اور مسلح جہاد بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جو موقع وقت اور حالات کے تحت کیا جا سکتا ہے۔ جہاد فکری میں اگر اسلامی معاشرے میں اگر کوئی غیر اسلامی انتشار پیدا ہوں تو ہر عالم کا فرض ہے کہ وہ اس چیز کی اپنی تحریر و تقریر اور مختلف طریقوں سے اس کا انسداد کرے جہاد قومی میں اسلامی معاشرے میں اگر کوئی اور قوم انتشار پھیلا رہی ہو تو ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اس فتنے کو ختم کریں۔ جہاد قولی میں ایک عالم کے علم کی سیاہی ایک شہید کے خون کے برابر کام کرتی ہے اس طرح اگر جہاد مالی میں اسلام

کی خدمت کے لیے جب ضرورت پڑے تو دل کھول کر امداد کرے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اور خدا کے قریب تر ہو جائیں۔

اس طرح اب یہ اندازہ ہوا ہے کہ جہاد مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے لیکن جب دین اسلام کے لیے خطرہ ہو اور مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور ایک جگہ کے مسلمان دوسری جگہ کے مسلمانوں کو مدد کے لیے پکاریں اور عبادت گاہیں خطرے میں ہوں تو ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ باطل کے خلاف جہاد کریں اور ان کے سامنے وقت آنے پر صف آراء ہو جائیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو پسِ پشت ڈالنے والوں کے خلاف اپنے ہاتھوں سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے اپنی زبان سے اس کی ناراضگی کا اظہار کیا وہ بھی مومن ہے" جہاد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ برائی کو روکنا بلکہ نیکی اور بھلائی کو پھیلانا بھی جہاد ہے اس دور کے اندر جہاں اور قومیں ترقی کر رہی ہیں اور ہم پستی میں گر رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے اللہ اور اس کے احکام کو نظر انداز کر دیا ہے اور دشمنانِ اسلام نے سازشیں کر کے ہمیں گروہوں میں بانٹ دیا ہے اور آج ہم آپس میں دست و گریباں ہیں ہر کوئی اپنے فائدے کے بارے میں سوچ رہا ہے اور یہ دیکھتے ہوئے بھی ہم انجان بن رہے ہیں کہ کتنے مسلمان ہمیں مدد کے لیے پکار رہے ہیں اور کتنے مسلمانوں کو آزادی کے نام پر سولی دی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ ہمیں آزاد ہوئے ۲۵ سال ہو چکے ہیں لیکن ذہنی طور پر ابھی تک ہم انگریزوں کے غلام ہیں ہمیں اپنے نفس سے جہاد کرنا ہو گا اور پھر مسلمان بھائیوں کو دلی طور پر آپس میں ملانا ہے۔

جب تک ہم اپنے معاشرے کو صحیح نہیں کر سکتے اس وقت تک ہمیں اپنے آپ میں جدوجہد کرنی پڑے گی مایوسی کفر ہے اب لوگ تیزی سے جاگ رہے ہیں۔ اور اب وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہماری آزادیاں آپس میں اتحاد و محبت سے ہی برقرار رہ سکتی ہیں ہمیں مختلف وسائل کے ذریعے لوگوں کو ابھی سے یہ تعلیم دینی چاہیئے کہ وہ وقت آپہنچا ہے اور اب ہمیں مکمل تیاریاں کر کے دنیا کے کونے کونے میں ہلالی پرچم لہرانا ہے۔ جب کوئی قوم (دشمن) طاقت کے بل بوتے پر مسلّح دھاوا بول دے تو اس حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے۔ جنگِ بدر اور جنگِ احد اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ جن حالات میں جہاد کی اجازت ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو۔

(۲) دشمن اہل اسلام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے۔

(۳) دشمن لوگوں کو مذہب پر عمل کرنے سے روکے۔

(۴) دشمن عہد شکنی کرے یا غداری کرے۔

(۵) مسلمانوں کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ ایک ہو کر فتنہ پردازوں کے خلاف تلوار اٹھائیں اور اس لڑائی میں ان کے لیے زندگی کا سامان ہے۔

(۶) دشمن ملک میں فتنہ و فساد پیدا کرے اور اسلام کو خطرہ ہو تو اس بات کا انسداد کیا جائے۔

ان حالتوں میں جہاد کی اجازت ہے تو یہ سب باتیں دورِ جدید میں موجود ہیں۔ ان باتوں کے بعد ایک ان پڑھ مسلمان کی سمجھ میں یہ بات بڑی آسانی سے

آجاتی ہے کہ جہاد کیا ہے اور کن حالات میں کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان عالم ہے تو وہ اپنے علم سے اپنی تحریر سے اپنی تقریر سے اگر کوئی مسلمان طاقتور ہے تو وہ اپنی طاقت سے اگر کوئی مسلمان مالدار ہے تو وہ اپنی مالی امداد سے جہاد میں حصہ لے غرضیکہ وقت اور حالات کے تحت جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے وہ مسجد اقصیٰ جہاں سے حضور معراج کو گئے تھے۔ وہ مسجد اقصیٰ جو مسلمانوں کا قبلہ اول تھا پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ کیا آج تم میں کوئی مجاہد نہیں۔ کیا آج تم میں کوئی غازی نہیں کیا تم میں کوئی غازی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ جیسا نہیں ہے۔ جو میری ویرانی کو آبادی میں بدل دے آج اگر ہم یہ عہد کریں کہ بیت المقدس کو ہم آزاد کروا کر رہیں گے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بیت المقدس پر قبضہ نہ کر سکیں کیونکہ جب ہم سچا عہد کریں گے تو خدا کی امداد ہمارے ساتھ ہو گی۔ کشمیر ہمیں آزاد کرانا ہے اور اس پر ہلالی پرچم لہرانا ہے دورِ جدید میں جہاد کی اشد ضرورت ہے اور ہر طریقے سے مثلاً جہاد فکری، جہادِ نفسی، جہاد علمی، جہاد قولی وغیرہ کے علاوہ مسلح جہاد اور جہاد بدنی کی بھی اشد ضرورت ہے۔

خدارا پاکستان کو جس مقصد کے لیے قائداعظمؒ نے بنایا تھا وہ مقصد پورا ہو اور جب شیطانی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف مقابلے پر آئیں اور سوائے جنگ کے کسی طرح راہنمائی نہ ہو تو پھر مسلمانوں کو حکم ہے کہ سر پہ کفن باندھ کر اللہ کے راستے میں جنگ کے لیے نکل جائیں ایسے موقعوں پر مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی محبت کو اللہ اور رسولؐ کی محبت پہ قربان کر دیں

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

# لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

محمد یامین خان۔ میانوالی۔

دنیا میں خدا کی نافرمانی اور کفر و شرک کے بعد سب سے بڑا جرم انسان کا قتل بے گناہ ہے۔ آخر ایک انسان کو کس طرح یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے ہی جیسے انسان کو نعمتِ حیات سے ہمیشہ کے لیے بے نیل و مرام کر دے اسی جرم بے پایاں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ (الخ)

ترجمہ:۔ جس نے ایک آدمی کو بغیر (قصاص) نفس یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے قتل کیا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کیا۔ جب کسی ایک شخص کا قتل سارے انسانوں کے قتل کے مترادف ہو۔ تو پھر بھلا قتل عام کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔ مگر اس کے باوجود جب ہم تاریخ عالم پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں قراطیس تواریخ پر چاروں طرف خون ہی خون نظر آتا ہے۔

ع جنگِ شاہانِ جہاں غارت گری است

اسلام سے پہلے جن قوموں نے اس بساطِ عالم پر اقتدار و اختیار کی مسند بچھائی ان میں سے کوئی بھی ایسی نہ تھی۔ جس نے خون کی ندیاں اور اشکوں کے سیلاب نہ بہائے ہوں۔ جس نے آبادیوں کو کھنڈروں میں اور گلزاروں کو ویرانوں میں تبدیل نہ کیا ہو۔

یہ تو ہیں! محض ہوسِ ملک گیری کی خاطر لوٹ مار، فتنہ و فساد پھیلانے

کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک اور دوسرے سے تیسرے پر چڑھائی کرتیں۔ سوائے اس مقصدِ رذیلہ کے اس کے پیشِ نظر کوئی دوسرا مقصد خیر نہ تھا۔ البتہ مفتوحہ علاقوں میں فاتح قومیں نہ تو احترامِ انسانیت کرتی اور نہ ہی مظلوموں پر رحم کھاتی تھیں۔ ایسے فاتح عرب تھے یا رومی ایرانی تھے یا ساسانی ہندی تھے اس اختلاف کے باوجود اگر ان میں کچھ قدرِ مشترک تھی تو ظلم و ستم اور جور و جفا مگر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جسے منفرد اعزاز حاصل ہے کہ اس نے نہ تو مسندِ اختیار و اقتدار پانے کے لیے بربریت و سفاکی برتی اور نہ ہی حصولِ مسند کے بعد ایسی حرکت کی۔ بلکہ جب بھی ایسا موقعہ پیش آیا تو لڑنے والوں کو یہ تعلیم دی۔

ترجمہ

ترجمہ:۔ خدا کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو۔ مگر خیانت اور بدعہدی نہ کرنا۔ مردوں کے ناک، کان نہ کاٹنا (مثلہ نہ کرنا)، بچوں کو قتل نہ کرنا لیکن اسلام کے نزدیک تو جنگ و جدال اور لڑائی و قتال کو عام حالات میں بنیادی حیثیت ہی حاصل نہیں ہے۔ اسلام میں لڑائی صرف اسی وقت جائز ہے جبکہ پانی سر سے گزر جائے اور لڑائی کے بغیر چارۂ کار ہی نہ ہو۔ مخالفین لڑے بغیر شریفانہ زندگی گزارنے پر آمادہ نہ ہوں۔ تو پھر مسلمانوں کو حکم ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ

ترجمہ

ترجمہ:۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور خدا کی حکومت ہر جگہ قائم ہو جائے۔

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ بانیٔ اسلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک میدانِ جنگ میں نہیں آئے۔ جب تک کہ مخالف خود مکہ سے چل کر مدینہ تک نہ آپہنچا۔ یہی وہ موڑ ہے۔ جہاں

پر عمل پیرا ہونے کا حکم منسوخ عمل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کو اپنے دفاع اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیا جاتا ہے۔

ترجمہ

ترجمہ:- ان لوگوں کو قتال وجدال کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا۔

مطلب یہ ہوا کہ مسلمان لڑتا ہے تو حریت رائے، آزاد ضمیر اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ان مقاصد کے حصول کے لیے لڑنا، جدال وقتال کرنا جنگ نہیں بلکہ کچھ اور ہی کہلاتا ہے۔ ان مقدس ومتبرک مقاصد کے لیے لڑنے کو لفظ "جہاد" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے فرمان خداوندی ہے۔

ترجمہ

ترجمہ:- اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ جہاد میں کسی کی انفرادی یا اجتماعی خود غرضی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو صرف اور صرف اعلائے کلمۃ الحق اور بنی نوع انسانی کی فلاح وخیر خواہی کے لیے لڑا جاتا ہے کیونکہ الدِّینُ نَصِیحَۃٌ

ترجمہ

ترجمہ:- دین خیر خواہی کا نام ہے۔

اب جہاد کے بارے میں ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ جہاد میں کتنی قسم کے؟
میرے نزدیک جہاد تین طور پر ممکن ہے۔

(۱) لسانی۔ (۲) مالی (۳) جانی

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اپنے ظالم اور مظلوم بھائیوں کی مدد کرو" مظلوم کی مدد کرنا تو عام فہم بات ہے مگر ظالم کی مدد کیسے اور کیونکر ممکن ہے؟ حدیث شریف میں ہے "ظالم کو ظلم سے روک دینا ہی اس کی مدد ہے" ظالم و جابر کے سامنے کلمہ حق کہنا لسانی جہاد اور ظالم کو ظلم سے روکنا لسانی و جانی جہاد کی مثالیں ہیں اور مجاہدین کی مالی اعانت کرنا مالی جہاد ہے۔ غرضیکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو کہیں بھی جبر و اکراہ کی تعلیم نہیں دی ارشاد ہے۔

ترجمہ :- دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں بلکہ خیرخواہی ہی خیرخواہی ہے اور مسلمان تلوار اٹھاتا ہے تو فلاح عالم کے لیے زبان کھولتا ہے۔ یہودی کائنات کے لیے یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی جنگ نہیں بلکہ ایک عبادت بن جاتی ہے جس کا مقام اتنا بلند ہے کہ جہاد میں مرنے والوں کو مُردہ کہنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔

## ترجمہ

ترجمہ :- اللہ کی راہ میں مرنے والوں کو مُردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔
یہ درجۂ اکمل و کامل کسی انسان کو صرف اس لیے حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے فریضہ کی ادائیگی کے دوران مارا گیا ہے جو کائنات کا عظیم ترین فلاحی مقصد ہے۔

بزبان شاعر :-

؎ زاں کہ در تقدیر رازے بود تست
حفظ و نشر لا الٰہ مقصود تست

مسلمان کے سامنے ہمیشہ سے یہی مقصد عظیم رہا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی ضرب سے چار دانگِ عالم کو ہلا کر رکھ دیں اور جہاں بھی اس مشعل کو روشن رکھنے کے لیے خون کی ضرورت پڑتی وہاں خونِ جگر پلانے سے بھی دریغ نہ کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی فضیلت دنیا میں اس چیز سے نہیں ہے کہ یہ زیادہ تزک و احتشام اور اہتمام و انصرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مسلمان کی عظمت تو اس میں ہے وہ اپنے اس مشن کو پورا کرے جس کے لیے وہ اس عالم رنگ و بو میں آیا ہے۔ مسلمان تو اپنے خالق کا ہر کارہ ہے۔ جو اس کے پیغام ترجمہ کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچانے کا پابند ہے. جب تک اپنے مشن کو پورا نہ کرلے چین سے نہ بیٹھے کیونکہ

؎ تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

مگر آج مسلمانوں میں جمود اور کفار و ملحدین میں تحرک ہے اور وہ کے مصداق مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لیے متحد و متفق ہیں۔ مگر مسلمان ایک دوسرے سے جدا اور بیگانہ ہیں، حالانکہ انہیں صریحاً حکم ہے۔

ترجمہ:- اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو گے۔

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آج ہم میں وہ روحِ اسلامی اور غیرت ایمانی موجود نہیں جس سے ہمارے اسلاف اکابر سرشار و مخمور تھے۔

بھلا یہ بھی کوئی عقل میں آنے والی بات ہے کہ ایک ہزار کا مقابلہ تین سو تیرہ سے ہو اور شکست بھی ایک ہزار کو ہو۔ یہ عقل تسلیم کرے یا نہ کرے۔ جذبۂ ایمانی کے تحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ مومن و مسلمان کا بھروسہ تیر و تفنگ پر نہیں اپنے خدا پر ہوتا ہے۔

؎ کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اگر آج ہم اسی جذبے اور بھروسے سے سرشار و مخمور ہو کر دشمنانِ دین کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں تو۔

ع اتر سکتے ہیں نصرت کو فرشتے قطار اندر قطار اب بھی

آج ۸۰ کروڑ مسلمان دنیا میں ہونے کے باوجود تہی دست اور آزادیٔ ضمیر و حریتِ ملّی سے محروم ہی نہیں بلکہ اپنے مقدس و متبرک مقامات بھی کفار کے ہاتھوں میں دے چکے ہیں اور کفار ہمارے مقاماتِ مقدسہ کو پامال و ویران

کر کے ہماری غیرت کو زبردست چوکے لگا رہے ہیں۔

مگر افسوس!

ہمیں اب نہ کچھ سجھائی دیتا ہے اور نہ ہی سنائی۔ حالانکہ فرمانِ خداوندی ہے۔

جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ حَقَّ جِهَادِهٖ ہ

وقت پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اٹھو اور بڑھ کر ذوالفقار حیدری تھام لو۔ اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق نہ کرتے ہوئے۔ حصولِ حریت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ایک بار پھر کفار کو للکاریں اور تاریخ کو دہرا کر ثابت کر دیں کہ مسلمانوں کے لہو کی گردش سست تو پڑ سکتی ہے مگر رُک نہیں سکتی۔

ہری ہے شاخِ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں

---

ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

---

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

---

# جہاد ایک اجتماعی عمل

عاطر ابرار زبیری۔ کراچی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام کائنات کی ہدایت کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اس لیے اتارا تاکہ انسانیت ظلم وستم کی تاریک راہوں کو چھوڑ کر نیکی اور عدل وانصاف کے روشن راستوں پر گامزن ہو سکے۔ قرآنی احکام اور دوسرے ادیان میں یہ نہایت واضح فرق ہے کہ دوسرے ادیان کے احکام فرد سے زیادہ متعلق ہیں۔ جب کہ قرآنی احکام معاشرے کے اجتماعی پہلو سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ صلح ہو یا جنگ، سفر ہو یا حضر، تجارت ہو یا نظم و نسق غرض انسانی معاشرے کے اجتماعی پہلو پر روشنی حاصل کرنے کیلئے ہم قرآن حکیم سے جو منبع رشد وہدایت ہے۔ رہبری حاصل کرتے ہیں۔ جہاد بھی ایک اجتماعی عمل ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ قاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ۔ یعنی ان سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے گویا پوری ملت کو اجتماعی جہاد کے لئے کہا گیا ہے کہ مخالف قوتوں سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ فساد کا نام ونشان پوری طرح مٹ جائے اور اس کے مقابلے پر جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے۔

دراصل جہاد اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یایھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم، وتؤمنون باللہ و رسولہ وتجاھدون

فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم

(ترجمہ)
یعنی۔ اے ایمان والو کیا تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنی جان و اپنے مال سے (قربانی کرو) جہاد کرو۔ قبل اس کے کہ میں جہاد کے مقاصد اس کی فضیلت اس کے فرائض اس کی فرضیت اور ترکِ جہاد کے نقصانات پر تفصیلی گفتگو کروں، ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کے مسلک یعنی دعوت کل انقلاب کی تشریح کروں۔ یہ عالمگیر اور انقلاب کل کی دعوت تھی اور جس نے بھی اس دعوت کو قبول کر لیا وہ بلالحاظ رنگ و نسل یکساں حقوق اور مساویانہ حیثیت سے اسلامی معاشرے کا رکن بن گیا اور شریک ہوتے ہی احکامِ الٰہی کا پابند ہو گیا اور اپنے مقصد کے لیے جدوجہد، جہاد شروع کر دیا۔ اسلامی معاشرے کے انسانی وجود کا تقاضا یہی ہے کہ وہ نظام غیر کی حکمرانی کو ختم کرنے کی کوشش کرے ظلم و فساد۔ بداخلاقی اور بے راہ روی کو ختم کرے لیکن اگر یہ معاشرہ یا جماعت ظالمانہ نظام حکومت کو بدلنے کی کوشش نہ کرے تو اس کے وجود کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جہاد کے سوا اس کی زندگی کا کوئی اور مقصد ہی نہیں۔ قرآن اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد بیان کرتا ہے وہ یہ ہے

کنتم خیرامۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتومنون باللہ

یعنی تم بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے نکالا گیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو۔ گویا اس جماعت کا کام یہ ہے کہ ظلم، فتنہ، فساد

اور بے حیائی کو بہ زور مٹا دے۔ اربابٌ مِن دُونِ اللّٰہ کی خداوندی ختم کر کے برائیوں کی جگہ نیکی قائم کرے۔ میری اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ قرآن کا مقصدِ جہاد بنیادی طور پہ ہے کہ دنیا سے غیر اللہ کی حاکمیت ختم کر کے اللہ تبارک تعالٰی کی حاکمیت قائم کی جائے۔ اس کے علاوہ معذور افراد کی دستگیری کرنے جارحیّت کو ختم کرنے اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کے لیے جہاد ضروری ہے۔ قرآنِ حکیم کے احکامات کسی دورِ خاص سے متعلق نہیں۔ جب جہاں جیسے ضرورت محسوس ہو جہاد کیا جائے در اصل اسلامی معاشرے کا ہر لمحہ جہاد ہے۔ چنانچہ سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تم ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو۔ جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں۔ اگر دنیا کے کسی مسلمان پہ ظلم کیا جا رہا ہو۔ مسلمان عورتوں کی عزت سے کھیلا جا رہا ہے۔ معصوم بچوں کو نشانہ ستم بنایا جا رہا ہو۔ بستیوں سے دھواں اٹھ رہا ہو۔ مساجد ویران کی جا رہی ہوں۔ درندگی اور بہیمیت کا دور دورا ہو۔ طاغوتی طاقتیں شیطنیت کا ناچ ناچ رہی ہوں تو ایسے میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ستم زدہ لوگوں کی مدد کرے اور ظالمانہ محرکات کا منہ توڑ جواب دے کیونکہ ایسے ہی وقت کے لیے انسان پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور یہ محرکات روزِ روشن کی طرح سامنے ہیں۔ جہاد نہ صرف فرض قرار دیا گیا ہے بلکہ تمام عبادات سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ کے انیسویں[19] رکوع سے بائیسویں رکوع تک کا خلاصہ یہ ہے کہ جس میں اصل قدر و منزلت اللہ پہ ایمان لانے اور جہاد کرنے والوں کو اجرِ عظیم کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے

کہ حضور نے فرمایا ہے کہ جو اللہ کو رب ماننے، محمدؐ کو رسولؐ ماننے اور اسلام کو دین ماننے پر راضی ہو گیا۔ جنت اس کے لیے واجب ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ایک کام اور ہے۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ ایک بندے کو جنت میں سو درجہ بلندی عطا فرمائے گا۔

حضرت عثمانؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ جو ایک دن سرحدی چوکیوں پہ پہرہ دے گا اس کی یہ عبادت تمام دنوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد ہمہ وقت انتہائی ضروری ہے لیکن شدت اور نرمی وقت کی پکار پر مبنی ہے۔

# اختر نے نوکِ خامہ کو نشتر بنا لیا

طارق انور بدین سندھ۔

قبل اس کے کہ جدید دور میں جہاد کی ضرورت کے متعلق بیان کیا جائے یہ ضروری ہے کہ جہاد کی حقیقت اور اس بارے میں صحیح اسلامی تعلیم سے آگہی ہو۔ جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جو جہد سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی عربی لغات اقرب الموارد اور لسان العرب کے مطابق کسی کام کے کرنے میں پوری طرح کوشش کرنا مشقت برداشت کرنا اور پوری طاقت اور سرگرمی سے کام کو سرانجام دینا خواہ وہ کام دینی ہو یا دنیوی۔ اسی طرح دین کی حفاظت کے لیے لڑنے کو جہاد کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں جہاد ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے البتہ اسلام نے تین چیزوں کی بابت جو جدوجہد کی جائے اس کا نام جہاد رکھا ہے۔

اوّل :۔ نفس کی اصلاح کے لیے جدوجہد

دوم :۔ اسلامی تعلیمات کو رواج دینے کے لیے جدوجہد

سوم :۔ مذہبی آزادی کے دفاع کی خاطر ظالم دشمن کے مقابلہ میں جو جدوجہد کی جائے وہ مجازاً جہاد کہلائے گی۔

چنانچہ جہاد سے صرف لڑائی مراد لینا درست نہیں۔ قرآن کریم نے بھی جہاد کا لفظ صرف "قتال" کے معنوں میں استعمال نہیں کیا چنانچہ سورۃ الفرقان میں ہے۔ وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا یعنی ہر شخص قرآن مجید کے ذریعہ جہاد کرے۔ سورۂ فرقان مکی سورت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مکہ میں کوئی لڑائی نہیں لڑی گئی۔ پس معلوم ہوا کہ جہاد قتال کا مترادف نہیں۔ اسی

طرح ایک حدیث کے مطابق افضل جہاد جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینا ہے۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ یا رسُولؐ اللہ ہم عورتیں دین کی خاطر جنگ کو تمام نیکیوں سے افضل خیال کرتی ہیں کیا ہم جنگ نہ کریں تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل جہاد حج مبرور ہے۔ یعنی تزکیۂ نفس افضل الجہاد ہے۔ جہاد کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں بھی پھیلی ہوئی ہیں جن کے مطابق محض اختلافِ عقیدہ کی وجہ سے غافل انسان کو جان سے مار دیا جائے یا اس کا مال لوٹ لیا جائے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں اسلامی شرلعیت کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ حصہ جو عقائد سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا حصّہ اعمال سے تعلق رکھتا ہے، عقائد سے تعلق رکھنے والے حصہ کی بابت اسلام کا حکم ہے کہ ان پانچوں باتوں پر جو بناء اسلام ہیں یعنی خدا کی ہستی، ملائکہ، انبیاء، خدا کی کتابوں اور آخرت پر ایمان رکھنا۔ زندگی کا ہر سانس اس اعتقاد پر گزرنا چاہیئے۔ اگر کسی لمحہ انسان ان میں سے کوئی عقیدہ چھوڑ دے خدا کے نزدیک وہ اسلام سے نکلا ہوا شمار ہوگا لیکن اسلام کی تعلیم کا وہ حصہ جو اعمال سے تعلق رکھتا ہے اس میں سے ہر حکم دو قیود سے مقیدّ ہے ایک وقت کی قید سے، دوسرے شرائط کی قید سے۔ مثلاً نماز جو ام العبادات ہے۔ اس کے لیے ہر نماز کا وقت مقرر ہے اور کچھ شرائط مقرر ہیں۔ یہی حال روزہ۔ زکواۃ۔ حج اور دیگر اعمال کا ہے۔ قرآن کریم میں ایک بھی حکم جس کا تعلق عمل سے ہو ایسا نہیں جو ان قیدوں سے خالی ہو۔ اب

سوال یہ ہے کہ جہاد بالسیف کی بابت جو حکم ہے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس کا تعلق اعمال سے ہے نہ کہ عقائد سے اس لیے جہاد بالسیف بھی مقید بشرائط اور وقت ہوگا۔ جب تک وہ شرائط اور مناسب وقت پر نہ ہو اسلام کی رو سے جہاد بالسیف پر عمل کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ بے وقت کی نماز یا شرائط کے تحت جو نماز ادا نہ کی جائے وہ نماز نہ ہوگی اسی طرح بے وقت اور شرائط کے بغیر کوئی جہاد بالسیف کا نعرہ بلند کرے تو درست نہ ہوگا۔

دورِ جدید میں جس جہاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ وہ جہاد بالنفس کو پاک و مطہر بنانے کے لیے جو کوشش کی جائے گی۔ اسے جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

یعنی جو لوگ ہمارے پانے کے لیے جہاد کریں گے۔ ہم ان کو اپنا راستہ دکھاتے رہیں گے۔ شیطان ایسے لوگوں پر غالب نہیں آسکے گا اور وہ نفس کی غلامی سے آزاد ہو سکیں گے۔ یہ جہاد ہر وقت جاری رہتا ہے اور مومن کو اپنے نفس کو زیر کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اس جہاد کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔ اسے ہر وقت جاری رکھنا ضروری ہے۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حقیقی مجاہد وہی ہے جس نے اپنے نفس کی اصلاح کے لیے پوری کوشش کی۔ اسی طرح غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقعہ پر فرمایا۔

رَجَعْنَا من الجھاد الاصغر الی الْجھاد الاکبر

یعنی دشمنانِ اسلام سے لڑائی چھوٹا جہاد ہے اور اصلاحِ نفس کا جہاد بڑا جہاد ہے۔

دوسری قسم کا جہاد جس کی اس زمانہ میں شدید ضرورت ہے اشاعتِ اسلام ہے۔ یعنی زبان سے قلم سے زندگی وقف کرکے وطن کی قربانی وغیرہ سے دین کا پھیلانا۔ جیسا کہ حکم ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر یعنی امتِ محمدیہ خیر امّت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے نفوس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے ہیں۔ نیکی کی طرف بلاتے اور بدی سے روکتے ہیں۔ اس جہاد کا طریق کار یہ مقرر کیا گیا ہے کہ :

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ (الخ)

یعنی مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کو خدا کی راہ کی طرف بلائیں۔ ان کے مخاطب اہلِ علم و فلسفہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے دلائلِ حکمیہ پیش کرنے چاہیئں اور ایسے لوگ بھی مخاطب ہو سکتے ہیں جو عوام الناس ہوں تو ان کو مواعظِ حسنہ سے خدا کی راہ کی طرف بلایا جائے اور اگر کوئی مخاطب ایسا ہو جو بحث ہی کا طالب ہو تو مسلمانوں کی بحث میں بھی احسنِ طریق یعنی نرمی کا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ پسپا شدہ وہی ہے جو دلیل سے پسپا ہوا اور زندہ وہی ہے جو دلیل سے زندہ ہوا۔

حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم تاحیات اس جہاد میں مصروف رہے۔ سرزمین حجاز میں جو روحانی انقلاب برپا ہوا وہ آپ کی شب و روز کی

تبلیغی جدوجہد کا کرشمہ تھا اور صحابہ کرام کا عملی نمونہ بھی لوگوں کے لیے ہدایت کا موجب بنا کیونکہ قرآنِ کریم نے جہاد کرنے والوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ عملی طور پر نیک نمونہ پیش کریں۔

آج اس دور میں بھی نیک اعمال اور نیک نمونہ جس قدر دوسرے کو قائل کر سکتا ہے وہ تلوار ہرگز نہیں کر سکتی کیونکہ ڈنڈے سے کسی کا سر تو پھوڑا جا سکتا ہے اس کے عقائد نہیں بدلے جا سکتے۔ چنانچہ ضرورت ہے نیک اعمال کی، اصلاح نفس کی اور جہاد بالقلم کی کیونکہ اس زمانہ میں جس قدر جہاد کی ضرورت ہے۔ پہلے کبھی نہ تھی۔

بقولِ اختر شیرانی

اختر نے نوکِ خامہ کو نشتر بنا لیا
موزوں نہ تھا زمانہ یہ تلوار کے لیے

(اخبار زمیندار ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء)

# روس و امریکہ دشمنانِ اسلام

راحت مسعود۔ کراچی

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل عرب کے لوگ جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ لوگوں میں چاند۔ سورج ستاروں اور بتوں کو پوجنے کا رواج تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی برائیوں نے معاشرے کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے عرب کے لوگوں میں پھیلی ہوئی گمراہی اور جہالت کے بادل چھٹ گئے۔ لوگوں پر اسلام کی معاشی۔ اصلاحی اور مذہبی تعلیم کا ایسا اثر پڑا کہ لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور اسلام کی روشنی عرب سے نکل کر رفتہ رفتہ پوری دنیا میں پھیلنے لگی۔ لیکن آج کے دور میں دنیا ایک مرتبہ پھر گمراہی کے اندھیرے میں بھٹک گئی ہے لوگ مذہب سے ہٹتے جا رہے ہیں۔ لوگ اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔ دشمنی، نفرت، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی جیسی معاشرتی اور سماجی برائیاں ان میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ممالک مثلاً روس اور امریکہ وغیرہ اسلام جیسے مذہب کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھتے وہ مسلمان قوم کے اندر آپس میں پھوٹ، انتشار اور تفرقہ ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ انہیں جب بھی موقع ملا۔ انہوں نے مسلمانوں کو کچلنے اور ختم کرنے میں کسر نہ چھوڑی آج کل مسلمان قوم کو جن مسئلوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان میں سب سے بڑا مسئلہ ہے مسئلہ

فلسطین اس کے علاوہ بیت المقدس کی آزادی کا مسئلہ اور مسئلہ کشمیر بھی قابلِ ذکر ہیں۔ فلسطین پر یہودیوں نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور اسی طرح بیت المقدس پر بھی یہودیوں کا قبضہ ہے۔ یہ قوم یعنی یہودی مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہے ہیں اور ایک طرف مسلمان اپنی آزادی و خودمختاری اور ان کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ دوسری طرف مسئلۂ کشمیر کی راہ میں روڑا اٹکایا رہا ہے۔ کشمیر کی ریاست دراصل شروع ہی سے پاکستان سے ملی ہوئی تھی مگر بھارت نے جارحیت کر کے کشمیر پر قبضہ کر لیا جس کی اطلاع پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں بذریعہ درخواست کی۔ اقوام متحدہ نے تجویز پیش کی کہ کشمیر میں رائے شماری کرائی جائے مگر بھارت جانتا تھا کہ اگر رائے شماری کرائی گئی تو تمام آبادی پاکستان کے حق میں ووٹ دے گی۔ بھارت نے آج تک اس پر عمل نہیں کیا اور معاملہ جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ ایران میں حال ہی میں پوری قوم نے اپنے مذہبی رہنما آیت اللہ روح اللہ خمینی کی بلا صلاحیت قیادت میں شہنشاہ کے خلاف جو اسلامی جہاد کی تحریک چلائی تھی۔ اس کے نتیجے میں شہنشاہ کو ملک سے معزول ہونا پڑا اور آج ایران میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا کے اسلامی ممالک میں مسلمان قوم اگر اسی طرح اسلامی جہاد کی تحریک چلاتی رہی۔ تو وہ دن دور نہیں جب مسلمان دنیا کی ایک عظیم قوت بن کر ابھریں گے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کا بول بالا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین)

# حق و انصاف

مجاہد احسن کراچی

جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ صرف ایک دوسرے کی خاطر لڑنا اور جان و مال تباہ کرنا بلکہ اسلام میں حق کی خاطر باطل قوتوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش کا نام جہاد ہے۔

" اس دور میں جب کہ ملک (کی حالت) روز بروز خراب ہوتی جارہی ہے تنزلی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سب بھائیوں اور بہنوں کو مل کر چاہیئے کہ وہ ملک کی خاطر جہاد کریں اس کی ترقی کے لیے رات دن کوشش کریں۔ اسلامی نظام لانے کے لیے جدوجہد جاری رکھے تاکہ دنیا میں فساد۔ خون ریزی ظلم اور ناانصافیوں کا خاتمہ ہو جائے اور چین و سکون عدل و انصاف اور حق کا بول بالا ہو۔ ان مقاصد کے لیے ہم سب کو جو کوشش بھی کرنی پڑے وہ کم ہے۔ ہمیں خود بھی چاہیے کہ ہم اپنے معاشرے میں ایسا نظام رائج کریں جو کہ اسلام میں جائز قرار دیا گیا ہو۔

آج جب کہ ہر بھائی بھائی کا دشمن ہے۔ والدین کے حقوق روز بروز ختم ہوتے جارہے ہیں۔ بیٹے کی نظر میں باپ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور بیٹی کی نظر میں ماں کی کوئی عزت نہیں رہی۔

ایسے دور میں جب کہ تمام برائیاں تیزی سے فروغ پا رہی ہیں۔ کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا ہے تو ہمیں اپنی طاقت و قوت کے بھروسے پر کوشش کرنی چاہیئے اگر جسم و جان کی قوت سے کام نہیں کر سکتے تو ہم سب زبان

کے ذریعے جہاد کر سکتے ہیں۔ برائیوں کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ وعظ ونصیحت کے ذریعے درس و تدریس کا سبق دے سکتے ہیں۔ باطل کے خلاف مضامین لکھیں۔ کتابیں لکھیں اور ان کی اشاعت وتشریح کریں تاکہ حق ظاہر ہوجائے اسلام کے دشمنوں کا صرف قوت سے مقابلہ کرنا ہی جہاد نہیں بلکہ جہاد اپنے بازو اپنے قلم اور اپنی زبان کے ذریعے بھی کیا جا سکتا ہے۔

اسلام میں جہاد پر یہ کہہ کر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا لیکن یہ اسلامی تعلیمات پر سراسر بہتان ہے اور یہ اسلامی تاریخ سے ناواقفیت اور جہالت کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کبھی بھی نہ تو لڑائی کے اسباب مہیا کیے اور نہ غیر مسلموں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا۔

دورِ جدید میں جہاد کی ضرورت بے حد ضروری ہے۔ ہر شخص اپنی مدافعت اور حفاظت کے لیے لڑتا ہے۔ یہ اس کا اپنا فطری جذبہ ہے اسی طرح ہر انسان پر اپنے مال و جائیداد اور اپنے مذہب کی حفاظت بھی اس کی فطرت میں شامل ہے۔

لہٰذا ان صورتوں میں دشمنوں سے مقابلہ کرنا اور ان کی ہمتیں پست کرنا بے حد ضروری ہے اگر ایسا نہ ہو تو بد کردار اور شریر النفس لوگ نہ کسی کو زندہ رہنے دیں گے اور نہ حق و انصاف کو قائم کرنے دیں گے اور نہ اسلام کو باقی رکھیں گے۔

# ترقّی کا راز

محمد خالد کراچی

مسلمانوں کی تاریخ کے نشیب و فراز سے پتہ چلا ہے کہ جب ان کے قلوب و اذہان میں بصیرت و معرفت موجود رہی یہ ہر جگہ فاتح بنکر ابھرے لیکن جب ان کی چشم بینا سے بصیرت مفقود ہو گئی تو دنیا ان پر چڑھ دوڑی اور آج ملت اسلامیہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کو موت وحیات کی اس کشمکش سے نجات دلانے کے لیے جہاد کی ضرورت ہے۔ لیکن اس دور میں زیادہ تر ایسے جہاد کی ضرورت ہے جو اچھائی اور بُرائی میں تمیز کرا سکے۔ ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم شر کے خلاف جہاد کریں تاکہ ایک پاک وصاف اسلامی معاشرے کا قیامِ عمل میں آسکے۔ اسلام کے نظام زندگی کا اپنا ایک فلسفہ اخلاق ہے۔ یہ ملکی معاملات کے بارے میں اپنا الگ سیاسی نظریہ رکھتا ہے۔ معاشرت، معیشت اور ثقافت کے بارے میں قرآن و احادیث میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں نے منازل ترقی طے کیں اور جو آج بھی قابلِ عمل ہیں اور عام انسان ان کے مطابق زندگی بسر کر کے کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر اس بات کے خلاف جہاد کریں جس کی ممانعت ہمارے مذہب نے کی ہے اگر کوئی چوری کرے تو اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اگر کوئی قتل کرے تو اس کا سر بھی تن سے جدا کر دیا

جائے۔ مظلوم کی فریاد سنی جائے اور اسے اس کا حق دلایا جائے۔ زانی کو اس کے ظلموں کی سزا دی جائے لیکن ایسا اس بات ہی سے ہو سکتا ہے۔ جب ہم ان برائیوں کے خلاف اور خاص کر اپنے نفس کے خلاف جہاد کریں کیونکہ اگر ہر شخص اپنی خود اصلاح کر لے اور یہ عہد کرے کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس کی اجازت ہمارا مذہب نہیں دیتا تو یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے کہ ہم ایک ایسے اسلامی ماحول کو جنم نہ دے سکیں جس کے لیے ہم نے یہ وطن حاصل کیا تھا۔ ہم نے یہ وطن حاصل تو ایسے ہی معاشرے کے قیام کے لیے کیا تھا لیکن جب ہمیں یہ وطن حاصل ہوا تو ہم نے اس کے قیام کے سبب کو بھلا دیا اور اپنے ذاتی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح دینے لگے اور اسلامی تعلیمات کو بھلا کے فانی زندگی کو اپنا کل سرمایہ سمجھ کر ایک دن آرام طلبی اور عیش پرستی کی راہوں پر چل پڑے۔ شراب و قمار کی محفلیں انسان کی باری تسکین کا سامان مہیا کر رہی ہیں۔ حرص و ہوس میں مسلمانوں کے لیے اپنے تشخص کو برقرار رکھنا انتہائی مشکل ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم پھر اسی منزل کی تلاش میں کوشاں ہو گئے ہیں جس کی تلاش میں آج سے ۳۰ یا ۴۰ سال پہلے تھے۔ وہ دن دور نہیں ہے جب ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ انسان کی زندگی اسلامی اصولوں کی بدولت کانٹوں کی سیج کے بجائے پھولوں کا بستر بن جائے گی۔ جب مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کر دی جائے گی۔ جب کوئی چوری کرے گا تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے جب حق کا سر اونچا اور ظالم کا سر نیچا ہو گا۔ جب ہر طرف سچائی کی شمع روشن

ہو گی اور جھوٹ کی شمع بجھ جائے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو (آمین)

تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ شر کے خلاف جہاد کریں۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہ اخذ کیا جائے کہ اس دور میں جان و مال کے جہاد کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے لیکن دورِ جدید میں مال و جان کے جہاد پر شر و برائی کے خلاف جہاد کو فوقیت حاصل ہے۔

# جذبۂ ایثار

محمد ابراہیم، لاہور۔

جہاد کے معنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جدوجہد کرنا ہے۔ لیکن اس میں ذاتی غرض کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جو اس راستے پر چلتے ہیں۔ وہ صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ اس لیے کلامِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے لیے جہاد کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی خوف نہیں ہوتا۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑی حکمت والے ہیں۔ جہاد زندگی میں ہر وقت کیا جاتا ہے۔ خدائے پاک نے ہمارے نبی آخر الزماں ؐ کو نبوت عطا کی اور ان پر وحی کا نزول ہونے لگا اور فرمایا گیا کہ آپ کھُلم کھُلا اسلام کی تبلیغ کریں اور آپ نے سب سے پہلے اپنے قبیلے اور خاندان والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ سب سے پہلے آپ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام کی دعوت دی جو کہ انہوں نے قبول کر لی۔ مردوں میں حضرت علیؓ جو کہ ابھی کم عمر تھے۔ انہوں نے آپ کی باتوں کو بڑی توجہ سے سُنا اور دعوتِ حق کو سن کر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد جب آپ ؐ نے اہل خاندان سے حق و صداقت کی آواز پر لبیک کرنے کو کہا تو وہ سب آپ کی جان کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپ کو تکلیفیں دینے لگے لیکن آپ نے حق و صداقت کی آواز کو برابر جاری رکھا اور اس سلسلے میں کسی بھی ظلم کے آگے سر کو نہیں جھکایا۔ ایک دفعہ آپ نے لوگوں سے

فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا ایک بہت بڑا گروہ موجود ہے۔ جو اچانک تم پر سخت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری اس بات کو سچ مان لو گے تو لوگوں نے یہ بات سن کر بیک آواز کہا۔ ہاں ہم نے آج تک کبھی بھی تمہیں جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا۔ ہم تمہیں امانت دار اور سچ بولنے والا سمجھتے ہیں۔ اس لیے کیسے یہ یقین نہ کریں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ سب کچھ سچ نہیں کہہ رہے ہو تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح میں آج تمہیں یہ پیغام دیتا ہوں کہ اس خدائے بزرگ و برتر کے آگے اپنے سر کو جھکاؤ اور اسی کی عبادت کرو جو کہ ہم سب کا مالک اور خالق ہے اور ان جھوٹے خداؤں کی عبادت سے باز آؤ یہ تو مٹی کے بے جان بت ہیں۔ ان کی عبادت سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا لیکن یہ پیغام سنکر وہ خوش نہیں ہوئے بلکہ الٹا آپ کی جان کے سخت دشمن ہو گئے اور مکہ میں آپ کا رہنا مشکل کر دیا اور مکے سے مدینے کی طرف آپ کو ہجرت کرنا پڑی۔ یہاں آکر بھی ان لوگوں نے آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر کار وہ ایک بہت بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ مدینے کی طرف حملہ آور ہوئے رسول پاکؐ کو بھی اس بات کا علم ہو گیا کہ کافروں کا ایک بہت بڑا لشکر معہ ساز و سامان کی کثرت کے مدینہ پر حملہ آور ہوا ہے۔ تو آپ نے اپنے پیرو کاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں نصیحت کی کہ دشمن یہاں تک آن پہنچا ہے۔ اب ہمیں ان کے مقابلے پر فوراً تیار ہو جانا چاہئے اس مقابلے کے لیے جو مسلمان اکٹھے ہوئے ان کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ یہ سب

تیار ہو کر کافروں کے مقابلے کے لیے مدینہ کے باہر ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور اپنی صفوں کو درست کیا۔ کافروں میں سے ایک ایک بہادر آدمی نکل کر آتا اور اپنے مدمقابل کو للکارتا اور آخر مسلمانوں میں سے کسی کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ اس طرح سے ان لوگوں کا ایک ہی مقصد تھا۔ وہ اپنی نمود و نمائش کرنا چاہتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنی بہادری کے جوہر دکھا سکے۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک ذاتی غرض میں پھنسا ہوا تھا۔ لیکن اللہ کے یہ نیک بندے کوئی ذاتی غرض لے کر اپنے گھروں سے نہیں نکلے تھے۔ بلکہ ان کے پیش نظر صرف ایک ہی بات تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی جان تک کی بازی لگا دینے میں بھی کبھی دریغ نہیں کریں گے۔ چنانچہ رسولِ پاک ؐ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم سب ایک صف میں کھڑے ہو جاؤ اور بیک وقت تم سب ایک ساتھ حملہ کر دو اور خدا کا نام لے کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگنے کے بعد وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً دشمنوں کی لاشیں تڑپتی نظر آنے لگیں اور آخر کار انہیں بہت بھاری نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ ان دونوں فریقوں کے درمیان فرق صرف یہ تھا کہ کافر اپنی آن بان کی خاطر لڑ رہے تھے اور مسلمان صرف اللہ کی سربلندی کے لیے میدان میں آئے تھے اور کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا بھی اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسی جگہ

پر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا۔ یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور دو رکعت نماز پڑھ لے تو بہت بڑا ثواب ملتا ہے اور اس طرح سے اپنے نفس کے ساتھ ایک بہت بڑا جہاد کرتا ہے۔ آج کے اس مادی دور میں جہاد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہم مسلمانوں کی زندگی ہی سرتاپا جہاد ہے۔ آج ہمیں جہاد کی بہت زیادہ ضرورت ہے جھوٹ بولنے والوں۔ ناپ تول کم کرنے والوں اور قول وفعل میں تضاد رکھنے والوں کو ان باتوں سے روکنا بھی جہاد ہی کے زمرے میں آتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ وَامُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْكَرِ ہ اچھی بات کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ خدا ہمیں عمل کی توفیق بخشے۔ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

# قومی اقتدار

سید مظہر اختر کراچی

اس دورِ جدید میں جہاد کی سخت ضرورت ہے لیکن وہ جہاد جنگ کی صورت میں نہ ہوگا۔ ہم جہاد اپنے ملک اسلامی میں موجود دشمنوں کے خلاف کریں گے۔ جو چاہتے ہیں کہ اس ملک کا شیرازہ بکھر جائے۔ یہ ملک ہم نے بہت سخت آزمائشوں کے بعد حاصل کیا ہے اور ہمارے دشمن چاہتے ہیں کہ ہم اس ملک کو جو اسلام کا گہوارہ ہے جو اسلام کا قلعہ ہے اس کو ختم کر دیں۔ اس دور جدید میں ہمیں بہت سی چیزوں کے لئے جہاد کرنا پڑے گا۔ آج کا انسان مختلف نوعیت کے مسائل سے دو چار ہے اگر ہم اس دورِ جدید کو مسائل کا دور کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اس دور کے انسان کو مسائل سے نجات دلانے کے لیے جہاد کریں ہمیں جہاد کرنا پڑے گا۔ ان لوگوں کے خلاف جو اپنے لباس کو استعمال نہیں کرتے دوسری جنگ عظیم کے بعد کئی مسلم ممالک نے مغربی ممالک سے آزادی حاصل کی۔ مگر قائد اعظم واحد رہنما تھے۔ جو اگرچہ پہلے مغربی ممالک کا لباس پہنتے تھے۔ لیکن حصولِ پاکستان کے بعد مغربی غلبہ ختم کرنے کی غرض سے انہوں نے فرنگی لباس قطعاً ترک کر دیا۔ قومی اسمبلی میں اور عوام سے قومی لباس میں خطاب کیا۔ اسٹیٹ بینک پاکستان کا افتتاح بھی قومی لباس میں کیا اور اسی لباس میں گورنر جنرل کے فرائض انجام دیئے۔ گویا اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ ٹوپی پاکستان کا قومی لباس ہے اور یہ کہ پاکستان ننگا نہیں

کیا یہ لمحۂ فکریہ نہیں یا اس کے خلاف جہاد کی ضرورت نہیں کہ ہمارے دانشوروں
اور خوش حال لوگوں نے اپنے سر مغربی روایات کے سامنے جھکا دیئے ہیں۔
اور قومی لباس صرف جنازہ میں شرکت اور عیدین کی نماز کے لیے رہ گیا ہے
گذشتہ اکیتس برس سے قائد اعظم کی ٹوپی اور شیروانی کی توہین اس طرح کی جا
رہی ہے کہ وہ نائب قاصدوں ہوٹلوں اور غیر ملکی فرموں کے چپڑاسیوں کے لیے
خاص ہو کر رہ گئی ہے۔ کیا ہم اس کے خلاف منظم جہاد نہیں کریں گے قومی لباس
کے المیہ کے پیش نظر اگر کرۂ ارض پہ نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ غیر ملکی دانشور
اپنے قومی لباس کا پُر زور مظاہرہ کرتے ہیں۔ صلیبی دنیا والے اپنا امتیازی نشان
ٹائی لگاتے ہیں اور چینی دانشور ملک کے اندر اور باہر اپنا مخصوص لباس پہنتے
ہیں لیکن اس کے برعکس اسلامی دنیا میں قومی لباس اور قومی زبان کا انحطاط روز
بروز بڑھ رہا ہے۔ ہمیں جہاد کرنا پڑے گا جو اپنے ذرائع ابلاغ کے خلاف
جو اپنے ملک کی اشیاء کے باوجود غیر ملکی اشیاء کی نمائش کرتے ہیں۔ جو عریاں ناچ
دکھا کر شیطانیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ جو ہر اشتہار میں عریاں کپڑے زیب تن
کئے ہوئے اپنے جسم کی نمائش کرتی ہیں۔ ایسے گانے دیئے جاتے ہیں جو غیر ملکی
زبانوں اور موسیقی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ذرائع ابلاغ نے کھلی چھٹی
منائی۔ اخلاقی حدود اور قومی ذمہ داریوں کو یکسر فراموش کر دیا۔ اخبارات اور جرائد
کا جال بچھ گیا۔ ریڈیو پاکستان وجود میں آ گیا۔ فلموں اور ٹیلیویژن نے سونے پہ
سہاگہ کا کام کیا۔ قومی وقار، قومی روایات اور قومی لباس اور قومی زبان کی چار
دیواری کو بے دردی سے مسمار کیا۔ غیر مخلص لوگ ذرائع ابلاغ میں داخل ہو گئے

اور ہمارے ذرائع ابلاغ غیر ملکی مداخلت کے اڈے بن گئے۔ ملکی اور غیر ملکی اشتہاروں کو ذریعہ آمدنی بنا لیا گیا۔ اخلاق شکن، اقدار شکن اور لباس شکن پروگراموں کو تفریح کی جگہ دے دی گئی۔ جذبہ حب الوطنی ختم ہو گیا۔ اسلاف کی اقدار پامال کی گئیں ولولہ کے بجائے مایوسی، خود اعتمادی کی جگہ احساس کمتری اور سادگی کی جگہ خود نمائی نے لے لی۔ پاکستان غیر مسلم دنیا کی مصنوعات کی منڈی بن گیا شیر خوار بچے ماؤں کی موجودگی میں غیر ملکی کیمیاوی دودھ کے محتاج ہو گئے اپنا کپڑا اور لباس ہونے کے باوجود غریب لوگ لنڈا بازار کے محتاج ہو گئے اور اسی طرح امیر لوگ بارہ منڈی کی طرف دوڑنے لگے۔ گویا کہ پوری قوم کم ہمتی اور فیشن پرستی کا شکار ہو گئی۔ کیا ہم ذرائع ابلاغ کے خلاف جہاد نہ کریں۔ نئی نسل ایسی برباد ہوئی کہ اب سنبھلنا مشکل ہے۔ دختران وطن سر سے عریاں ہوئیں۔ تو پرواہ نہ کی۔ بال کٹوائے تو پرواہ نہ کی۔ حتیٰ کہ اب بھنویں بھی اڑنے لگیں۔ نوجوان غیر ملکی لال، پیلے لباسوں میں ملبوس، جنہوں نے نہ باپ، ماں اور استاد کا ادب کیا بچوں کے سر پر غیر ملکی فلمیں سوار کر دی گئیں۔ والدین ممی، ڈیڈی بن گئے۔ بچے سکس ملین ڈالر مین، بیانک ڈہل اور انکل سرگم کے اشتہار بنے۔ گویا کہ چہرے مسخ ہو گئے اور اخلاق کا دیوالیہ نکل گیا۔ کیا ہم اس نئی نسل کو نہ سدھاریں ذرائع ابلاغ کو نہ سدھاریں۔ قومی وقار، قومی روایات، قومی لباس، قومی زبان، چار دیواری کو اجاگر نہ کریں۔ کیا ذرائع ابلاغ کو غیر ملکی اڈوں سے نجات نہ دلائیں کیا عریاں اشتہاروں کو بند نہ کر دیا جائے۔ اخلاق شکن، اقدار شکن اور لباس شکن پروگراموں کو بند نہ کر

دیا جائے۔ کیا جذبہ حب الوطنی نہ ابھاریں، احساس کمتری خود نمائی، غیر ملکی، مصنوعات، لنڈا بازار، چھپڑا منڈی کو ختم نہ کر دیں۔ کیا فیشن پرستی، عریانی فحاشی غیر اخلاقی چیزوں کو ختم نہ کر دیں۔ کیا اپنے امتیازی نشان ٹوپی کو اُجاگر نہ کریں۔ نوجوانوں کو غیر ملکی لباسوں سے نجات دلا دیں، قائداعظم کے فرمان پر عمل کریں۔ اس ملک کو اسلام کا گہوارہ بنائیں۔ انسان کو مسائل سے نجات دلائیں تو ہم کو ان سے چیزوں کے لیے دور جدید میں ایک منظم جہاد کی ضرورت ہوگی۔ ہمیں ہر بُرائی کا قلع قمع کرنا ہوگا۔ اور کسی باطل قوت کے آگے جھکنا نہیں ہوگا۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

آئیے!

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا فلک شگاف نعرہ لگائیں اور حق کو بلند کریں

# معاشرتی و ذاتی اصلاح

محمد صدیق جواز ملتانی

آج کل کے دور میں جہاں انسان انسان ہی کے خون کا پیاسا ہے لفظ جہاد کی کوئی اہمیت نہیں۔ جب کہ ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے نہ تو کوئی اس طرف توجہ دیتا ہے اور نہ کوئی اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مشکل اور کٹھن دور میں اگر کوئی صحیح معنوں میں اعلانِ جہاد کرتا تو بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے اسے "خبطی" اور "دقیانوسی" جیسے خطابات سے نوازا جاتا ہے جو میرے خیال میں اس کی حوصلہ شکنی کے لیے کافی ہیں۔ ہم زبانی طور پر تو رشوت، ظلم، ملاوٹ وغیرہ کے خلاف نہایت ہی لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں اور کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ لیکن عملی طور دیکھا جائے تو خود اسی لعنت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے دلوں میں جہاد کا جذبہ کیسے پیدا کریں جب ہم لفظ جہاد سنتے ہیں تو ہمارے ذہن میں فوراً یہ خیال آتا ہے کہ "جہاد کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی جنگ جو کہ کفر کے خلاف لڑی جائے" کیا واقعی اس کا مطلب یہی ہے۔ نہیں۔

جہاد کے کئی طریقے ہیں۔ جانی و مالی اور اس کے کئی طریقے اور بھی ہیں۔ ہم اگر اپنے آپ کو جانچیں پرکھیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہم میں بہت سی خامیاں ہیں۔ بہت سی برائیاں ہیں۔ مثلاً حسد ہم کرتے ہیں۔ جھوٹ ہم بولتے ہیں۔ رشوت ہم لیتے ہیں۔ چوری ہم کرتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی ہم کرتے ہیں۔

ملاوٹ ہم کرتے ہیں۔ گالیاں ہم بکتے ہیں غیبت ہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات ہے کہ ہم میں اخلاق نہیں۔ اتفاق نہیں۔ بھائی چارگی نہیں۔ یہی ہمارے وہ اہم ستون ہیں۔ جن سے محروم ہو کر ہم خود کو اپنی ہی نظروں سے گرا بیٹھے ہیں۔ ہمارا ضمیر سو چکا ہے۔

کیا ہم ہمیشہ یونہی رہیں گے۔ کیا ہمیں ہمیشہ اخلاق و اتفاق سے محروم رہنا پڑے گا۔ کیا اسلام نے ہمیں یہی سبق دیا ہے۔ کیا ہمارے پیغمبرؐ نے ہمیں یہی پیغام دیا ہے۔ کیا ہمارے بزرگ یہی مثالیں ہمارے لیے چھوڑ گئے تھے۔

ان تمام سوالوں کا جواب کون دے گا۔

ہم ان باتوں پر غور کریں تو موجودہ دور سے یہ تمام باتیں مختلف نظر آئیں گی۔ لیکن ہم کو اپنے ذہن سے بُرائی کی تمام جڑوں کو نکالنا ہوگا ہمیں اپنے نفس کی گرفت سے آزاد ہونا پڑے گا۔ تب جا کر ہم کہیں ان باتوں کو سمجھ سکیں گے جو کہ ہمارے بزرگ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔

سب سے پہلے ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے اس اہم مسئلے کو مدنظر رکھتے ہیں۔ جس کو اگر اسی وقت نہ نمٹایا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ کبھی نہ نمٹتا۔ وہ اہم اور نازک ترین مسئلہ زکوٰۃ نہ دینے کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کا جہاد تھا اور انہی کے دورِ خلافت میں چند مرتدین تھے۔ جنہوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جیسے کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ لیکن

آپ رضؓ نے عقلمندی اور جرأت و حکمت سے ان سب کا مقابلہ کیا اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خلافت کا حق ادا کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ رضؓ کا ایک اہم کارنامہ قرآن مجید کی جمع و تدوین کا ہے۔ علاوہ ازیں اگر ہم تاریخ کے اوراق پلٹیں تو ہمیں کئی نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ مقصد یہ ہے کہ موجودہ دور میں کئی ایسے نازک مسئلے اٹھ کھڑے ہیں۔ جو کہ بغیر اتفاق بغیر بھائی چارہ کے نہیں نمٹائے جا سکتے۔ اس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں رشوت۔ ملاوٹ۔ اور کئی ایسی دوسری چیزیں عام ہیں۔ ہمیں اپنی نئی پود کو اس سے بچانا ہو گا ہم اپنی نئی نسل کو ان ذلت آمیز حرکتوں سے دور رہنے کی ہدایت کرنی ہو گی۔ ہمیں ان لعنتوں کا خاتمہ کرنا ہو گا۔ موجودہ دور کے مسلمان اگر متحد ہو کر ان برائیوں کے خلاف جہاد کریں جو کہ ہماری زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں تو میرے خیال میں ان برائیوں کے دوبارہ ابھرنے کا خیال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ایک اسلامی نظام ایک اسلامی معاشرہ اس وقت تک ترتیب نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ ان برائیوں کا سدباب نہ کیا جائے۔ انہیں ختم نہ کیا جائے۔ اور اسلام ہی ہمیں ان سے نجات کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام ہمارے لیے ایک شمع ہدایت ہے جو ہمیں ایک ہی راہ دکھاتا ہے جو کہ ہمیں ذلت کی پستیوں سے نکال کر عظمت کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ اسلام ہی ہمیں اتفاق اور اتحاد کا سبق دیتا ہے۔ خدا ہم سب کو نیک راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

# امیدِ سروری

یونین بیکری ملّی روڈ۔ لاہور۔

پاکستان میں رہنے والی قوم وہ قوم ہے۔جس نے جدوجہد کے ساتھ اپنا ملک حاصل کیا جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ابھی اس قوم میں جدوجہد کی صلاحیت موجود ہے۔جس کا ثبوت یہ قوم بار بار دے چکی ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے جدوجہد کی تو انگریزوں اور ہندوؤں کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور جب ۲۰ سال بعد بھی اس کے بنانے کا مقصد پورا نہ ہوا تو ایک دفعہ پھر جہاد پر کمر باندھی اور ظلم وستم کی اس زندگی سے آزادی حاصل کی اور اس خواب کی تعبیر کو زندہ کیا جو کہ اس کے بڑے بڑے رہنماؤں کی دلی تمنّا تھی۔

اس جہاد کے بعد دورِ جدید میں جہاد کی ضرورت پھر زور پکڑ گئی ہے اور یہ جہاد جو کہ دورِ جدید کے جہاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا جہاد ہے۔کیونکہ اس میں ہمارا مدمقابل کوئی اور نہیں بلکہ ہمارا النفس ہے اور ہم کو ثابت کرنا ہوگا کہ ہم نفس کے نہیں بلکہ نفس ہمارا غلام ہے اور دنیا پہ ثابت کر دیں کہ مسلمان وہ قوم ہے جو اپنے خدا کے لیے اپنا گھر بار بیوی بچے تو کیا اپنے نفس کو بھی خاطر میں نہیں لاتی اس لیے مسلمانوں کو اس دور جدید کے جہاد میں اپنے نفس سے جہاد کر کے اپنے اخلاق اپنے ایمان اپنے کردار کو درست کرنا ہوگا جس کے لیے اب صرف باتوں ہی سے نہیں بلکہ اس وقت عملی جہاد کی ضرورت ہے۔ ہمیں

اللہ تعالیٰ کی ذات پر پوری امید ہے کہ خدا ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی تمام مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور اپنی خیر و برکت سے ایک دفعہ پھر سے دنیا کے ہر کونے میں اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ ہمیں خوشی ہے کہ یہ پرچم سب سے پہلے مسلمانوں میں یہ منزل فضیلت پاکستانیوں کے حصہ میں آئی دنیا نے یہ نظارہ کئی بار کیا کہ مسلمانوں نے جب بھی کسی بات پر کمر باندھی ہے تو اس کو پورا کر کے دیکھا کیونکہ ان کی مدد خدا کرتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ملک جس کی بنیاد پہلے دن سے جہاد سے پڑی وہ اسی دور میں بھی ثابت قدمی سے اس چیلنج کو قبول کرے گا اور دنیا کے سامنے مثال بن کر چمکے گا اور دنیا کی آنکھیں چکا چوند کر دے گا اور آہستہ آہستہ انشاءاللہ ایک دن تمام دنیا کو اس کی لپیٹ میں آنا ہوگا۔ یہ ہمارا جوش اور ولولہ ہے جس کی وجہ سے ہم اب تک اس میں کچھ حد تک بڑھ بھی چکے ہیں۔

جناب صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے بارہ ربیع الاوّل کو جو قوم سے خطاب کیا اس میں انہوں نے زکوٰۃ اور عشر کا جو اعلان کیا ہے وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا ایک قدم ہے۔ جو انشاءاللہ اب کبھی نہ رُکے گا اب وہ دن دور نہیں جب پاکستان میں ہر طرف اسلام کا پرچم لہرائے گا لیکن اس کے لیے ہم کو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ جس کو دور جدید کا جہاد کہنا بالکل صحیح ہے۔

پاکستان کا مطلب کیا

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ

؎ چمکے گا جب اس زمین کا ذرّہ ذرّہ
کرے گی دُنیا تقلید اِس ارضِ وطن کی

# نئے دور میں جہاد

سید آصف علی کراچی۔

نئے دور میں جہاد کی ضرورت ہر ایک کو پیش آتی ہے۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اپنے ملک سے دوسرے ملک میں کام کی غرض سے جانا۔ جہاں کچھ لین دین کا حساب ہو۔ دوسری قسم وہ جس میں خدا اور رسول ؐ کا اسلام پھیلانا۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام پھیلانے کے لیے مکہ سے مدینہ اور دوسرے بہت سے شہروں میں جا کر اسلام پھیلایا اور جہاد ہی کے ذریعے خدا کو اونچا اور بلند کر دکھایا اور اسلام پھیلاتے رہے یہاں تک کہ پوری دنیا کے چاروں کونوں میں اسلام پھیلا ہوا ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں گے۔ یہاں تک کہ آخر میں دُنیا بھر کے انسان مسلمان ہو جائیں گے۔

اس دور میں جہاد کی ضرورت ان لوگوں کو ہوتی ہے جن کے پاس دولت ہو کیونکہ جب دولت کو اسلامی قوانین کیمطابق خرچ کریں گے تو یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہوگا۔ مثلاً دور دراز شہروں، علاقوں، قصبوں اور کالونیوں میں جا کر زکوٰۃ اور غریب لوگوں کی مدد کرنا جہاد ہی تو ہے۔

شرعی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کہیں باہر ممالک جانا ہو تو وہ بھی جہاد ہی کہلائے گا۔ ہمارے پیارے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے تعلیم حاصل کرنے یعنی علم کے لیے خواہ تمہیں چین جانا پڑے

جاؤ۔

اِس دَورِ میں جدید جہاد کی ضرورت ہے۔ اپنا مال لے کر دوسرے ممالک جانا۔ وہاں تجارت کرنا یعنی ہر بُری چیز کے لیے جہاد کرنا امیر اسلام کے خلاف جہاد کرنا جو کہ اسلام کے بَرخلاف چلے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کسی بھی مطلب کا جہاد کرنا جدید دَور میں بہت ہی اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً کسی مسلمان تنظیم کے لیے کام کرنا بھی جہاد ہے۔

جہاد جہاد جہاد

ہمارا نعرہ ہے سب پکارو۔ جہادِ فی سبیلِ اللہ۔ جو کہ مؤمن کا شعار ہے۔ ؎

کارِ مؤمن فی سبیل اللہ جہاد
کارِ ملاّ فی سبیل اللہ فساد

# جہاد کی اقسام

میر حمزہ شہزاد۔ کراچی۔

جہاد لفظ جہد سے بنا ہے۔ اس کے معنی کوشش کے ہیں۔ مال کی قربانی بھی جہاد ہے۔ جان کی قربانی بھی جہاد ہے۔ اپنے نفس کو بُرے کاموں سے روکنے اور احکام الٰہی کی پابندی بھی جہاد ہے۔ اس لیے ہمارے رسول کریمؐ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ وجاھدوا فی سبیلہٖ لعلکم تفلحون۔

ایسے تو جہاد کی بہت سی اقسام ہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں جہاد کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال

ان میں انسان کسی ایک جہاد میں اپنی زندگی وقف کرے تو اسے جہاد کے بدلے جنت نصیب ہوتی ہے لیکن اس جدید دور میں جہاد کی کتنی کمی ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اگر مسلمان اپنی جان کے ذریعے جہاد کرے یا مال کے ذریعے تو کامیابی کی تقدیر ہر وقت ہمارے ساتھ ہو گی۔ جان کے ذریعے جہاد سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لیے ہر قسم کی جسمانی تکالیف اٹھائی جائیں اور انسان اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالے۔ پھانسی پر چڑھے تیر اور نیزوں سے چھد جائے تلوار سے قلم ہو جائے اور توپ و بندوق سے ہلاک ہونے کے لیے ہر وقت آمادہ اور تیار ہو اور مال سے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ دین کی اشاعت اور حق کی کامیابی کی خاطر اپنی جائیداد وقف کرنے اور اپنی دولت لٹانے

سے دریغ نہ کرے۔ ان میں کامیابی حاصل کرنے کے راستے میں دو رکاوٹیں ہیں۔ ایک جان کی محبت اور دوسری مال کی محبت جو قوم ان رکاوٹوں کو دور کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں اور جان و مال کو موقع و محل پر صرف کرنے سے نہیں رُکتیں۔ وہ قومیں دنیا میں ضرور فلاح پاتی ہیں لیکن اس دور جدید میں مسلمان جہاد کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آگے کی طرف گامزن ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آگے کی بجائے اور بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ دور جدید کے مسلمانوں نے جہاد کو بھول کر دوسرے مذہب کے طور طریقوں کو اپنا لیا۔ لیکن مسلمانوں کا نصب العین اللہ کے دین کی خدمت کرنا اور اس پر دل و جان سے مال و دولت صرف کرنا ہے۔ اسی لیے اس جدید دور کے مسلمانوں کو ہر وقت دوسری قوموں کے سامنے شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس دور کے مسلمانوں کو جہاد کی سخت ضرورت ہے تب جا کر ہم کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔ میں ان واقعات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتا۔ جنکے مطابق ایسی ہستیوں نے جام شہادت نوش کیا کہ ہم ان کے پاؤں کی مٹی کے برابر نہیں ہیں۔ وہ واقعات جو کربلا کے میدان میں ہوئے۔ اسی دین اسلام کے لیے ان ہستیوں نے جہاد کو اپنی تقدیر بنا لیا اور بھی بہت ساری جنگیں اور واقعات ہیں۔ جسے ابھی تک نہیں بھلا جا سکتا۔ جس میں مسلمانوں کو کامیابی اور شہرت حاصل ہوئی۔ لیکن اس جدید دور میں مسلمانوں کو ہر جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جس کی اصل وجہ سچے دل سے جہاد نہ کرنا ہے۔ اپنے نفس کو بے قابو، نمازیں بد عملی، نیت کی برائی اور اللہ تعالیٰ

کی اس پاک و شفاف کتاب کی قدر و قیمت نہ جاننا انہیں برائیوں کی وجہ
سے مسلمانوں کو ہر جنگ اور ہر قوم کے سامنے شکست فاش ہونا پڑتا ہے
یں اپنے ذہن کو اس جنگ کی طرف بھی لے جانا چاہتا ہوں جسے سُن کر
آنکھوں میں آنسو ٹپک پڑتے ہیں اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ
اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان جو جنگ ہو رہی ہے اس میں بار بار
مسلمانوں کو شکست سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور اسرائیل بار بار ہمارے مسلمانوں
کو شکست دے کر واپس لوٹتا ہے۔ اسی وجہ سے کہ مسلمانوں نے اپنی سچی نیت
کھو دی ہے۔ لیکن اس دور کے تمام مسلمان جہاد کو بھول چکے ہیں اس لیے
شکست ہماری تقدیر بنی ہوئی ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی نیت
کو پاک اور سچی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو عملی طور پر نبھانے کی کوشش
کریں تو اسی صورت میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز ہو سکتا ہے۔ میری دُعا
ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام مسلمان بندوں کی نیت کو پاک اور ان کے دل
یں محبت کے علاوہ جہاد کا جذبہ بھی ضرور پیدا کرے۔ اور سچے ایمان کے
تقاضوں سے روشناس کرے اس دور کے تمام مسلم ممالک کی ناکامی کے اسباب جہاد
سے منہ موڑنا ہے اور اگر تمام مسلم ممالک میں جہاد کا جذبہ اُبھر آئے اور اپنے
نفس کو قابو کریں۔ نماز کو سچے دل سے سمجھیں اور اپنی نیت کو صاف اور پاک
رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی پاک و شفاف کتاب کو پڑھ کر عمل کریں تو میں قسم کھا کر
کہہ دیتا ہوں کہ کسی بھی مسلم ملک کو شکست نہ ہو گی۔ صرف سچے دل سے جہاد
کرے اور جہاد کرنے کی ہدایت کرے۔ (آمین)

# جذبہ ہم بھی نہیں ؟

مشرف حسن۔ کراچی

یہ دور جو ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔ یہ دور جو مشینی دور کہلاتا ہے۔ یہ دور جس کو ہم ایجادات کا دور کہتے ہیں۔ واقعی دور جدید ہے لیکن اس دور میں امن، اخلاق، بھائی چارہ، ایمان داری وغیرہ کا فقدان ہے۔ کیونکہ اس دور کے انسان سے زیادہ ہمدردی نہیں بلکہ اس کو مال و دولت اور بے جا شان سے محبت ہے۔ اسے کسی غریب سے پیار نہیں اور یہ ایسا دور ہے۔ جب کہ ہمیں جہاد کی ضرورت ہے۔ وہ جہاد نہیں جو ہم میدانِ جنگ میں کرتے ہیں بلکہ ہمیں اس جہاد کی ضرورت ہے۔ جو ہمارے اندر اچھائیاں، خوبیاں پیدا کرے۔

"جہاد کے معنی اللہ کی راہ میں قربانی دینا اور ایثار و بہادری سے کام لینا دین کی سربلندی اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتے ہوئے جان دینا جہاد ہے۔" جہاد" کے معنی ختم نہیں ہو جاتے بلکہ بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی جہاد ہوتا ہے۔ مثلاً کسی غریب کی مدد کرنا بھی جہاد ہے۔ اپنے نفس پر قابو پانا بھی جہاد ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں ایسی مثالیں ہیں جو جہاد کہلاتی ہیں۔ لیکن اس دور جدید میں لوگوں کے ذہن میں جہاد کے یہ معنی ہیں کہ محاذ پر جا کر قربانی دینا لیکن اگر کوئی اس بات پر غور کرے کہ جہاد کسے کہتے ہیں۔ جہاد میں کیا باتیں شامل ہیں تو اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہو گا اور اگر اسے معلوم ہو کہ جہاد بالنفس جہاد

بالمال بھی ہو سکتا ہے تو وہ ضرور کرے گا۔

اس دور جدید میں خاص کر ہم پاکستانیوں اور مسلمانوں کو جہاد کی اشد ضرورت ہے اور ہم جہاد اس طرح کر سکتے ہیں کہ اچھائی کریں اور اچھائی کی تلقین کریں۔ اور اس دور میں جب کہ انسان مشینوں سے زیادہ اور انسانوں سے کم پیار کرتا ہے۔ رشوت کھاتا ہے۔ برائیاں کرتا، بے ایمانی کرتا ہے۔ اگر ہم اپنی جانب سے جہاد شروع کریں یعنی ہر انسان اپنے نفس کو قابو میں رکھے برائیوں سے بچے۔ نیک کاموں میں حصہ لے اور برائیوں کے خلاف کھڑے ہو جائیں تو ہم ایک مثالی قوم بن سکتے ہیں اور اسلام کا یہ شیوہ ہی رہا ہے کہ تمام مذاہب پر فوقیت حاصل رہی ہے۔

آج جب کہ ہمارے ملک میں نظام اسلام نافذ ہو چکا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ حکومت کے اس اقدام کی حوصلہ افزائی کریں برے کاموں سے بچیں اور جو قوم اپنی حالت خود نہیں بدلتی کبھی ترقی نہیں کر سکتی اور علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں لکھا ہے کہ" خدا نے اس قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلی جب تک کہ اس نے کوشش نہیں کی" اپنے لیے برائیوں کے خلاف جہاد نہ کیا۔

سرسید احمد خان نے بھی اپنے ایک پیغام میں کہا ہے کہ انسان کو اپنی مدد آپ کرنی چاہیے اور اب ہم پر یہ وقت آیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو بدلیں۔ اپنے اخلاق کو بدلیں کیونکہ اچھے اخلاق کو تو اللہ اور اس کا رسول دونوں پسند کرتے ہیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ جہاد بالمال کریں تاکہ غریبوں کی

حالت سدھر جائے غریبوں اور امیروں میں بھائی چارہ پیدا ہو اور اس بات کی تشریح حضور نے خود حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی کہ "غیروں کی مدد کرو"۔ کوئی غریب امیر سے اور نہ امیر غریب سے نہ کالا گورے سے اور نہ گورا کالے سے بہتر ہے بلکہ سب برابر ہیں۔

یہ ایسا دور ہے جس میں ہم مسلمان بھائیوں کو اتحاد کی ضرورت ہے۔ آپس میں یک جہتی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ غیر مسلم قوت اسلام کو ہمیشہ زک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اتحاد کے ساتھ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جب مذہب ہی نہیں تو قوم بھی نہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں کچھ بھی نہیں
جذبِ باہم بھی نہیں، محفل انجم بھی نہیں

ہم مسلمان ہیں ہمارا مذہب اسلام ہے۔ ہمیں اسلامی اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔ اپنے اندر اوصاف پیدا کرنے چاہئیں۔ بے سہاروں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور جہاد بھی۔ نابیناؤں کو سڑک پار کرانا بھی جہاد ہے اس لیے ہمیں ہر ایک کی خدمت کرنا چاہیئے۔

غرض ہمارے لیے اس دور میں جہاد اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ جینے کیلئے غذا۔ کیونکہ غذا کے بغیر زندگی ممکن نہیں اور جہادِ زندگانی کے بغیر بھی زندگی نامکمل ہے۔

# غیر ملکی نظریات سے معاشرتی تباہی

جہاد جہد سے نکلا ہے اور اس کے لغوی معنی کوشش یا جد و جہد کرتا ہے۔ شریعت میں جہاد نام ہے کوشش اور قربانی کا جو اللہ کی راہ میں دین کی اشاعت میں کی جائے اور یہ قربانی مالی ہو یا اخلاقی یا جانی۔

دَورِ جدید سے مراد وہ دَور جس دَور میں ہم اور ہمارا معاشرہ پرورش پا رہا ہے اور ساتھ میں برائیاں بھی پیدا ہو رہی ہیں اور ہمیں پہلے یہ سوچنا ہے کہ یہ برائیاں کون پھیلا رہا ہے اور پھر ان برائیوں کے خلاف جہاد کریں یہ برائیاں کیا ہمارے استاد یا معاشرہ یا حکومت پھیلا رہی ہے۔ شاید آپ کو معلوم ہے کہ زیادہ برائیاں پھیلانے میں کس کا ہاتھ ہے۔ اگر معلوم نہیں ہے تو ہم بتاتے ہیں۔ معاشرہ کا ہاتھ اس طرح ہے کہ ہمارے اپنے معاشرے میں زیادہ افراد شر پسند ہیں کچھ غیر ممالک کے شر پسند ہمارے معاشرے میں گھس آئے ہیں جو ہمارے معاشرے کو خراب کر رہے ہیں۔ استاد کا بہت کم ہاتھ ہے۔ وہ اس طرح کہ بعض استاد پڑھے لکھے ہونے کے باوجود نکمے ہوتے ہیں۔ ان سب برائیوں کو رد کرنے کے لیے جہاد کی ضرورت ہے۔ جہاد تلوار سے جہاد اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لیے کافروں سے ہوتا ہے اللہ کے قرآن مجید کے اوراق میں ہے۔

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے یہاں سب سے بلند درجہ انہیں ہی کا ہے اور وہی کامیاب ہیں"

جہاد صرف کافروں سے جنگ کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے مال سے کسی غریب طالب علم کی پڑھائی کو جاری رکھنا۔ اگر ہمارے والدین بوڑھے ہیں تو ان کی خدمت کرنا بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔

اب کفار کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور اسلام کی شمع ہر ملک میں روشن ہے دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں جہاں مسلمان موجود نہ ہوں یا ان کی حکومت نہ ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اب تو ہر جگہ اسلام کا نام لیوا ہے۔ اب ہمیں جہاد کی ضرورت نہیں ہے .کیا جہاد : صرف فوج کر سکتی ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جہاد قیامت تک جاری رہے گا"۔

آج کے دور میں جو جہاد ضروری ہے وہ زبان کا جہاد ہے۔ دنیا میں ایسے بھی ملک ہے۔ جہاں اسلام پر پابندی ہے وہ مسلمانوں سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ مثلاً ایک ملک اسرائیل ہے۔ جہاں یہودی قوم بستی ہے اور وہ مسلمانوں سے بہت نفرت کرتے ہیں لیکن وہاں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو وہاں اسلام کی شمع پھیلا رہے ہیں۔ جو جیل کی سختیاں جھیل رہے ہیں۔ ان پر ظلم ہو رہا ہے لیکن اسلام کو پھیلا رہے ہیں یہ ایک اللہ کے نام کو بلند رکھنے کا جہاد کا ایک طریقہ ہے۔ یہ جہاد زبان و دل سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر رہے ہیں اور اسلام کی ایسی جماعتیں ہیں۔ جو دنیا کے ہر ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ آج کے دور میں جو برائیاں ہیں جو پہلے بھی تھیں۔

اور شاید قیامت تک رہیں۔ ان برائیوں کو رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کئی انتظام کر رکھے ہیں اور اسلام کی شمع پھیلانے والے ایک ایسی دیوار بن کر کھڑے ہو رہے ہیں۔ جسے کوئی طاقت نہیں گرا سکتی۔ یہاں تک کہ روس اور امریکہ بھی دو طاقتیں مشہور ہیں۔ وہ بھی ان کے سروں تلے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔

"کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو صفیں باندھ کر جہاد کرتے ہیں۔ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

# اسلامی انقلاب

محمد انجم ارشد کراچی

آج کے دور میں جہاد تلوار سے نہیں بلکہ ہمارے اپنے اخلاقی محبت، مالی قربانی سے ہوتا ہے۔ اس دنیا میں اسلام سے بڑی طاقت کوئی نہیں۔ اب ہر فرد اسلام قبول کر رہا ہے۔ جاپان کا مشہور پہلوان انوکی ہمارے محبت، خلوص کی وجہ سے اسلام قبول کر رہا ہے۔ اب ہم دنیا میں جہاد ہر طریقے سے کر سکتے ہیں۔ مثلاً غریب کو ظالم سے اس کا حق دلا سکیں۔ کسی بیمار لاوارث کی مدد کریں۔ ایک طرح کا جہاد کہلاتا ہے۔ فرض کریں ایک شخص ایک ایسے ملک میں رہتا ہے اور باوجود پابندی کے اسلام پھیلا دیتا ہے اور وہ حکومت اسے بھاری رقم دیتی ہے لیکن وہ ٹھکرا دیتا ہے۔ آخر وہ شخص پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے تو وہ شخص اللہ کے نام کو بلند رکھنے کی جدوجہد میں اس لیے اپنی جان دے دی جتنے لوگوں کو وہ پھانسی پہ چڑھائیں گے اس سے دس گنا طاقت جہاد کرتی رہے گی۔ آخر کار وہ حکومت ختم ہو جائے گی۔ ایران میں اب کیا ہو رہا ہے۔ سابق حکومت نے اسلام کا نام مٹانے والوں کو ختم کرتی رہی اور لوگ زبان سے جہاد کرتے رہے اپنے زبان سے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا کلمہ دوسرے تک پھیلاتے رہے حکومت ان لوگوں کا خاتمہ کرتی رہی۔ آخر کار یہ حکومت ختم ہو گئی اور وہاں اسلامی انقلاب آگیا۔ یہ انقلاب کسی کی بدولت ہو زبان کے ذریعے پھر جان کے ذریعے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں زبان سے جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں
اسلام کی دولت سے مالامال کرے۔۔ (آمین)

# صراطِ مستقیم

ناصر حسن۔ کراچی۔

آج کے دور میں مسلمان اپنی اہمیت و افادیت کھو بیٹھے ہیں۔ وہ ابھی تک منتشر ہیں۔ ان کی صفوں میں بیسویں صدی تک انتشار کا لاوا اُبل رہا ہے۔ غیر مسلم انہیں جاہل اور بد دیانت سمجھتے ہیں۔ وہ ہمیں دنیا کی کمزور ترین اور پست قوم کہتے ہیں چونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ آج مسلمانوں میں اتحاد ناپید ہے۔ ہر مسلمان اپنا فائدہ پیش نظر رکھتا ہے کوئی بھائی اپنے بھائی کے لیے قربانی دینے کے لئے تیار نہیں۔ آج ہر چیز دنیا کے ترازو میں تولی جاتی ہے۔ آج دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے لیکن ہم ابھی بہت پیچھے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنا نصب العین اور اولین مسئلہ دولت کمانا سمجھ لیا ہے۔ وہ دن رات دولت کی دوڑ میں لگے رہتے ہیں۔ ہم نے دولت حاصل کرنے کے لیے اپنا ایمان بھی داؤ پہ لگا دیا ہے۔ ہم خدا کو بھول گئے ہیں۔ اقتدار کی ہوس ہمیں سکون و چین سے نہیں رہنے دیتی۔ آج غریب و امیر کا فرق ایسا ہی ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کا فرق۔ ہم میں نظم و ضبط ختم ہو چکا ہے۔ ہم مسلمان وقت کے ہاتھوں ایک کھلونا بنے ہوئے ہیں ایک وہ وقت تھا جب کہ مسلمانوں کی ہیبت اور فیاضی کا چرچا دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک موجود تھا لیکن مسلمانوں نے اپنی دولت اپنی شان اپنی آن سب کچھ عیش پرستی کی غار میں جھونک دی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے آخرت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ چنانچہ آج مسلمانوں میں اتحاد کی جو

ضرورت ہے وہ پہلے کبھی نہ تھی۔ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ مسلمان اپنا وجود قائم رکھنے کے لیے متحد ہو جائیں خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ قائد اعظم کے قول، اتحاد، تنظیم اور یقین محکم پر عمل کریں۔ مسلمان قومیت فرقہ پرستی اور عصبیت کو بھول کر فرعونیت کے خاتمے تک جدوجہد کریں۔ چونکہ جب مسلمانوں میں آپس کی لڑائی جھگڑوں نے فروغ پانا شروع کیا تو اسوقت سے مسلمانوں میں زوال آنا شروع ہو گیا۔ مسلمان آپس میں کمزور ہو گئے۔

آج مسلمانوں کو یہودیت اور صیہونیت سے جتنا خطرہ ہے اتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ آج ہر طرف مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اس صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیں۔ آج مسلمان ہر شعبے میں غیر قوموں سے پیچھے ہیں۔ ان کے پاس اسلحہ اور ہتھیاروں کی کمی ہے۔ وہ جدید ٹیکنالوجی سے ناآشنا ہیں۔ ان کی معیشت تباہ حال ہے۔ یہ سب باتیں اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ مسلمانوں میں ایمان کی کمی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ایک ہو جانا چاہیئے تاکہ وہ دوسری قوموں کا مقابلہ کر سکیں۔ انہیں یہودیوں سے جہاد کرنا چاہیئے اور یہود نواز طاقتوں سے تیل کو بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے صرف جہاد کا راستہ صراطِ مستقیم کی حیثیت سے اپنانا چاہیئے۔ اقبال نے مسلمانوں کو وہ راستہ سو سال پہلے ہی بتا دیا تھا ان کی خواہش تھی کہ

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

# جہاد

عمران آفریدی کراچی۔

عقل و تجربے سے یہ بات ثابت اور تاریخ و مشاہدے سے یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اصلاح و تعمیر کا کوئی بھی کام خواہ کسی دائرے میں کیا جائے. کسی نوعیت کا ہو کسی مقصد کے حصول کے لیے ہو۔ اس کی تکمیل کے لیے کسی نہ کسی نوع سے طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ماں باپ کو بچوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر جبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ حکومت باشندوں کی بہتری کے لیے دلیل و نصیحت کے ساتھ ساتھ قوت سے بھی کام لیتی ہے۔ اصلاحی تحریکوں کے علمبردار بھی کسی حد تک قوت کے استعمال پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پرامن جد و جہد کے حامی بھی اپنی راہ میں حائل ہونے والوں کو طاقت ہی کے ذریعے ہٹاتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ کسی بھی تحریک کی تکمیل بغیر طاقت کے استعمال کے ممکن نہیں۔ بقول شاعر ؎

هم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف
گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی سہی

طاقت کو دو طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تعمیر کے لیے یا تخریب کے لیے اگر قوت کو تعمیری انقلاب کے لیے بروئے کار لایا جائے تو روا ہے اور اگر اس کا منشا تخریب کا فروغ ہو تو ناروا ہے اگر قوت سے ؎

لا دیں ہو تو ہے زہر ہلال سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

قرآن میں ارشاد ربانی ہوا۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ
والمستضعفین من الرجال والنساء (الخر) (ترجمہ) اور مسلمانو اتم کو
کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں ان کمزور، بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں
(کو کفار کے پنجے سے چھڑانے) کے واسطے جنگ نہیں کرتے جو حالت
مجبوری میں خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے
کسی طرح اس بستی سے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں، ہمیں نکال اور کسی
کو اپنی طرف سے سرپرست بنا اور تو خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار
بنا۔ طاقت کے استعمال کا یہی نظریہ اسلام کے پانچویں بنیادی ستون جہاد کی
اساس ہے۔ اللہ نے ہر ایسے ظلم کے خلاف... خواہ وہ سیاسی ہو معاشی ہو۔
مذہبی ہو یا معاشرتی ہو۔ تلوار اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ جو تہذیب کے
نشوونما اور انسانیت کی بھلائی کے راستے میں روڑا بن رہا ہو۔

جہاد چار مقاصد کے حصول کے لیے کیا جا سکتا ہے۔

(۱) قائم شدہ اسلامی ریاست اور اسلامی سماج کا تحفظ۔

(۲) اہل اسلام کو ظلم وستم سے بچانا۔

(۳) مذہب کے پھیلاؤ پر لگائی گئی پابندیوں کو ختم کرنا۔

(۴) فتنہ فساد کو روکنا۔

سورۃ بقرہ میں فرمانِ الٰہی ہوتا ہے

(ترجمہ) "خدا کی راہ میں (اس کے نظام حق کی اقامت اور تحفظ کے لئے)
ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے خلاف لڑیں لیکن زیادتی نہ کرو۔ اللہ کو زیادتی

کرنے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔ دشمنوں کو جہاں بھی پاؤ ان کو جیتا نہ چھوڑو اور جہاں سے تم کو انہوں نے نکال دیا تھا، تم بھی ان کو نکال باہر کرو کیونکہ فتنہ و شر (اقامتِ حق میں مزاحمت) کا ہونا قتل سے زیادہ بڑی برائی ہے۔ ان کے خلاف مسجدِ حرام کے ماحول میں نہ لڑو تا آنکہ وہ خود ہی (اس حرمت کا پاس ختم کر کے) تم سے لڑیں پھر اگر وہ واقعی حدودِ حرم میں، تم سے جنگ آزما ہوں تو تم بھی (کسی جھجک کے بغیر) ان سے جنگ کرو۔ ان کافروں کو اسی طرح کیفرِ کردار تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور (ہاں) ان کے خلاف جنگی کارروائی جاری رکھو کہ نظامِ حق کی راہ سے مزاحمتوں کا قلع قمع ہو جائے اور پورے کا پورا نظامِ حیات اللہ کی ہدایت کے تابع ہو جائے پھر اگر وہ مزاحمت چھوڑ دیں تو ان پر۔ ماسوائے مجرمین۔ کے کوئی گرفت نہیں"۔

یہ تو تھا اسلامی نظریہ جہاد۔ اب آیئے اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے آج کی دنیا پر نظر دوڑائیں۔ اس کا موازنہ اس دور سے کریں کہ جب حکم جہاد نازل ہوا تھا اور پھر مقامِ جہاد کا تعین کریں۔

تاریخِ انسانی اس امرِ مسلمہ کی شاہد ہے کہ حق اور باطل کی قوتیں پیدائشِ آدم سے لے کر آج تک بر سرِ پیکار ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ یہ جدوجہد دورِ نبوت میں بھی تھی اور آج بھی جاری ہے۔ اگر اس وقت یہ اجتہاد دین کو پھیلانے کے لیے ضروری تھا تو آج دین کو بچانے کے لیے ضروری ہے۔ اگر مدینے والوں کو کافروں کی شورش کے خلاف علم اٹھانا پڑا تو آج کمیونزم اور سوشلزم

کی قوتوں کے خلاف جہاد کی حاجت ہے۔ اگر کل رسول اللہ نے یہودیت و عیسائیت کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا تو ایسی صورتِ حال کا سامنا تو آج بھی ہے۔ پس اس امر کی سچائی میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جہاد کی جتنی اہمیت آج سے چودہ سو سال قبل تھی اتنی ہی آج بھی ہے۔ اپنے اطراف پر نظر ڈالئے۔ ہر طرف مسلمان لادینیت کے چنگل میں گرفتار نظر آئے گا۔ دنیا کے ہر خطے میں اس پر زندگی تنگ ہے۔ عرب ممالک پر نگاہ کیجئے تو وہاں اسرائیل حاوی نظر آئے گا۔ افریقہ کی طرف نکل جایئے۔ تو اسلام کے پیروکار یورپ کے زرغے میں دکھائی دیں گے۔ خود پاکستان کے مسلمانوں پر ہندوستان کا غلبہ ہے یہی نہیں بلکہ اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے اور اللہ کے پیغام کی تشہیر روکنے کے لیے ایک مہم شرق تا غرب پھیلی ہوئی ہے اور یوں اللہ کے دین کو مٹانے کی ایک شرمناک تحریک کو ہوا دی جا رہی ہے۔

ایسے حالات میں جب کہ اسلامی حکومتوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اسلام کو پھیلنے سے روکا جا رہا ہے اور اس کے ماننے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ دین کو بچانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے جہاد خصوصی جہاد بالسیف۔ اگر آج اسلام دشمن قوتوں سے بزد آزمائی نہ کی گئی تو شاید کل اسلام کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے۔

آیئے اب ایک بار پھر تاریخ کے جھروکوں سے جھانکیں اور آج کے دور سے تعلق ڈھونڈیں کہ جب مسلمان عروج پر تھے اور تمام دنیا ان کے زیرِ نگیں تھی مسلمانوں کو اس منزل پر پہنچانے کا ذمہ دار ان کا جذبۂ جہاد تھا۔ مسلمانوں نے

اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ نے انہیں سرفرازی عطا کی۔ لیکن جب مسلمانوں کو ان کا گوہر مقصود ہاتھ آگیا تو انہوں نے اجتہاد سے منہ موڑلیا جب وہ تمام دنیا کو شکست دے کے ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوگئے تو انہوں نے جہاد کرنا ختم کردیا۔ وہ غفلت میں پڑ گئے اور یہ بھول گئے کہ خداوند تعالیٰ سورۃ توبہ میں خبردار کرچکا ہے کہ

(ترجمہ) "اگر تم (جہاد کے لئے) نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ اقتدار پر کسی اور گروہ کو لے آئے گا جس کا تم بال بھی بیکانہ کرسکو گے اور اللہ ہر اقدام پر قادر ہے۔

اور پھر یہی ہوا یعنی مسلمان بلندی سے پستی و تنزل کی طرف چل پڑے اور باطل کی قوتیں ان پر غالب آگئیں اور آج تک وہی ان پر مسلط و قابض ہیں۔

اس تاریخی حوالے کو سامنے رکھا جائے تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ جہاد ہی وہ واحد راستہ ہے۔ جس کے ذریعے مسلمان اپنا کھویا ہوا عروج و وقار اور مقام حاصل کرسکتے ہیں۔ جہاد ہی وہ مشعل ہے جسے رہنما بنا کر مسلمان اس تاریک دور سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ جہاد ہی وہ قوت ہے۔ جو ہمیں صیہونی پنجے سے رہائی دلاسکتی ہے۔ جہاد ہی وہ طاقت ہے۔ جو مسلمانوں کو ایک بار پھر باطل پر فتح دلاسکتی ہے۔

اس دورِ جدید میں اس امر کی شدت سے ضرورت ہے کہ مسلمان متحد ہوجائیں اور اپنے دین کی سالمیت اور اپنی بقاء کی خاطر تلوار اٹھالیں۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

جہاد کی کئی اقسام ہیں۔

جہادِ بالسیف" کی اہمیت پہلے ہی واضح کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ جہاد کی دو اور اہم اقسام ہیں۔ جہاد بالمال اور جہاد بالقلم روپیہ پیسہ وقت کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال نے اسے "قاضی الحاجات" قرار دیا ہے۔ مال کے بغیر کوئی ارادہ تکمیل نہیں پاتا۔ اس لیے دین کو بچانے کے لیے بھی دولت کی اہمیت اور ضرورت ہے۔ آج کے اس مادی دور میں جہادِ بالمال کی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ دولت والوں کی باتیں زیادہ توجہ سے سنی جاتی ہیں۔ اگر ہم تبلیغ کرنا چاہیں تو زر چاہیئے۔ اگر قرآن چھپوا کر بانٹنا چاہیں تو پیسوں کی حاجت ہوتی ہے۔ اگر ہم اسلام کو روشناس کرانے کے لیے مہم شروع کرنا چاہیں تو یہ قدم بھی دولت کا متقاضی ہے۔ غرض کہ اس وقت اسلام کی سلامتی اور سربلندی کے لیے جہاد بالمال کی اشد ضرورت ہے۔

آج کے اس پر آشوب دور اور نفسانفسی کے عالم میں ہر شخص کی سوچ اپنے دنیادی فائدے تک محدود ہے۔ لوگ اسلامی تعلیمات کو بھولتے جارہے ہیں اور سچے مومنوں کی تعداد وقت کے ساتھ ساتھ گھٹ رہی ہے اس لیے اسلام کی اشاعت اور نشاۃِ ثانیہ کی ضرورت ہے اور اس مقصد کی تکمیل کا ایک پر اثر ذریعہ تحریر ہے۔ یعنی جہاد بالقلم۔ آج حاجت اس امر کی ہے کہ لوگوں کو اسلام کی اہمیت، اس کی افادیت اور اس کی وسعت کا احساس دلایا جائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا اس وقت یا تو یہودیت و عیسائیت کی لپیٹ میں ہے اور یا پھر سوشلزم اور کمیونزم کے چنگل میں انسانوں کو خصوصاً مسلموں کو ان کے الاشقوں اور فریبوں سے بچانے اور انہیں دینِ حق کی طرف راغب کرنے کا بہترین آلہ قلم ہے۔ جیسا کہ ایک انگریز مفکر نے کہا "ماچیوں سے جلائی ہوئی آگ اس آگ کے سامنے ہیچ ہے جو قلم کو کاغذ پر استعمال کرنے سے بھڑکتی ہے"۔ قلم ہی کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی کے ذریعے دلوں کو مسخر کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے اسلام کی اشاعت اور پھیلاؤ ممکن ہے۔ قلم ہی کے ذریعے اللہ کے پیغام کو دنیا میں پھیلایا جاسکتا ہے۔ اختصاراً یہ کہ جہاد بالقلم ہی وہ وسیلہ ہے جو اس دور میں لوگوں کو دین کی طرف مائل کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ پس یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر مسلمان اپنی بگڑی کو سنوارنا چاہتے ہیں۔ اپنی گم گشتہ حکومت و شوکت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کے دین کو پھیلانا چاہتے ہیں تو صرف ایک عمل ان کو سرفراز و سرخرو کرسکتا ہے اور وہ ہے جہاد۔ اقبال نے اس سچائی کو یوں بیان کیا۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

# دورِ جدید میں جہاد کی ضرورت

تو قیر فاطمہ کنول

اس موضوع میں جو لفظ زیادہ وزن یا اہمیت رکھتا ہے۔ وہ "جہاد" ہے۔ اس لیئے سب سے پہلے جہاد کا مفہوم واضح طور پر بیان کرنا بہت ضروری ہے۔

جہاد ایک عربی کا لفظ ہے۔ جو حسب ذیل معانی کے لیے مستعمل ہے۔

جہد، طاقت، مشقت، محنت، حد کو پہنچنا۔

کوشش کرنا۔ سعی وجہد سے کام لینا۔

سواری کو تیز چلانا۔

کمزور کر دینا۔ عربی میں کہتے ہیں (جَھَدَ الْمَرَضُ فُلاَنًا)

سیر ہو کر کھانا۔

عسرت و افلاس میں مبتلا ہونا۔

جہاد۔ کوشش۔ دشمن سے لڑنا۔

شرعی اعتبار سے جہاد ہر اس سعی وجہد کا نام ہے۔ جو جسم و جان اور مال و جان سے دین کی سربلندی اور نشر و اشاعت کے سلسلہ میں انجام دی جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن نعمہائے بیکراں سے نوازا ہے۔ خواہ اِن کا تعلق اِنسان کے جسم و جان سے ہو۔ یا مال و

منال سے ان کو اشاعتِ دین کی خاطر صرف کرنے کا نام جہاد ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لئے اپنے عزیزو اقارب کی اہلِ و عیال کی۔ خاندان و قوم کی جان تک قربان کر دینا۔ اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا۔ اِن کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا۔ ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لیے جنگ کے میدان میں کُودنا پڑے تو کود پڑنا جہاد ہے۔ جو اسلام کا ایک بہت بڑا رُکن اور عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

یورپ کے نام نہاد علماء عام طور سے اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ کہ لفظ جہاد جنگ کا مترادف ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کی لغت میں جہاد سے زیادہ ہیبت ناک اور مہیب کوئی لفظ نہیں وہ جس انداز میں اسلامی جہاد کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ وہ فی الواقع بڑی خطرناک ہے۔ یہ لفظ جہاد کے معنی و مفہوم سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ جنگ کے لیے عربی لغات میں متعدد الفاظ مستعمل ہیں۔ مگر عربوں نے لفظ جہاد کو عام جنگ کے معنی میں کبھی استعمال نہیں کیا۔ جنگ کے محرکات عام طور سے جذباتِ بغض و عناد قدیم عداوت یا ہوسِ زر و مال ہوتے ہیں۔ شرافت و انسانیت ایسے نیک احساسات کا جنگ سے کوئی واسطہ نہیں۔ بخلاف جہاد کے عوامل و محرکات کبھی بُرے نہیں ہوتے۔ جو کام بھی رضائے الٰہی کے پیش نظر انجام دیا جائے اور دوسرا کوئی جذبہ اس کا محرک نہ ہو۔ وہ جہاد ہے۔ تاجر کی تجارت۔ کسان کی زراعت۔ طالب علم کی شبانہ روز محنت و کاوش اگر خدا کی خوشنودی کے حصول کے لیے عمل

میں آئے تو عین جہاد ہے۔

مقام حیرت و استعجاب ہے۔ کہ اہلِ یورپ نے جہاد کے وسیع مفہوم کو صرف دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے محدود معنیٰ میں محصور کر دیا۔ جہاد کی حقیقت یہ ہے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شریعت کو لے کر دنیا میں آئے۔ وہ محض نظریہ اور فلسفہ نہیں۔ بلکہ سراپا عمل ہے۔ آپ کے مذہب میں نجات کا استحقاق گوشہ گیری، رہبانیت اور گیان دھیان پر موقوف نہیں۔ بلکہ خدا کی توحید رسولوں اور کتابوں اور فرشتوں کی سچائی، قیامت اور جزاوسزا کے اعتماد کے بعد ان کے مطابق نیک عمل اور نیک کرداری کی جدوجہد پر مبنی ہے۔ اس سعی وکاوش کو جہاد کہتے ہیں۔

ارشاد ہے۔ مسلمان میں سے وہ جن کو کوئی جسمانی تکلیف نہ ہو۔ اور پھر بھی بیٹھے رہیں۔ اور وہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان ومال سے جہاد کر رہے ہوں برابر نہیں۔

بیٹھنے اور جہاد کرنے کے باہمی تقابل سے یہ بات کھُل جاتی ہے۔ کہ جہاد کی حقیقت بیٹھنے، سستی کرنے اور راحت پسندی کے سراسر خلاف ہے۔ یہ جذبہ عمل جس کو جہاد کہتے ہیں۔ ہر قسم کی سعادت اور ترقی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسی جذبہ جہاد اور اسی حصول ثواب کی آرزو تھی۔ جس کے سبب سے مکہ میں مسلمانوں نے تیرہ برس تک ہر قسم کی تکلیفوں کا بہادرانہ مقابلہ کیا۔ ریگستان کی جلتی دھوپ

پتھر کی بھاری سِل طوق وزنجیر کی گراں باری۔ بھوک کی تکلیف پیاس کی شدت۔ نیزہ کی نوک، تلوار کی دھار، بال بچوں سے علیحدگی، مال ودولت سے دست برداری، اور گھر سے دوری کوئی چیز بھی ان کے استقلال کے قدم کو ڈگمگا نہ سکی اور پھر دس برس تک مدینہ منورہ میں اُنھوں نے تلوار کی چھاؤں میں جس طرح گذارے وہ دُنیا کو معلوم ہے۔

جب جہاد کے معنی سعی تبلیغ اور جدوجہد کے ہیں۔ تو ہر نیک کام اِس میں داخل ہو سکتا ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم اپنے نفس سے جہاد کرنا ہے۔ اِسی طرح حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "بہترین جہاد یہ ہے۔ کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرے" یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے۔ جہاد بالنفس کا عام مفہوم یہ ہے کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اشاعتِ دین کا فریضہ ادا کیا جائے۔ ایسے لوگوں کو دینی اعتبار سے مجاہد (جہاد کرنیوالا) کہا جاتا ہے۔ اگر غازی و مجاہد راہِ خدا میں اپنی جانِ عزیز قربان کر دے۔ تو اسے شہید کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

دنیا کا تمام شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے۔ اِس کا دور کرنا ہر حق طلب کے لیے ضروری ہے۔ ایک انسان کے پاس اگر عقل و معرفت اور علم ودانش کی روشنی ہے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ وہ اس سے دوسرے

نار یک رکو ، کو فائدہ پہنچائے ۔ تلوار کے زور سے کسی کے دل میں وہ
طمانیت پیدا نہیں ہو سکتی ۔ جو دلیل و برہان کی قوت سے لوگوں کے
سینوں میں پیدا ہوتی ہے ۔ دین حق کی دعوتِ ارشاد کا یہ طریقہ جہاد
کی ایک قسم ہے ۔ دینِ حق کی نشر و اشاعت کے لیے مال صرف کرنے کو
جہاد بالمال کہتے ہیں ۔ جسمانی جہاد یعنی لڑائی کی ضرورت ہر وقت پیش
نہیں آسکتی ۔ لیکن مالی جہاد کی ضرورت ہر وقت ہوتی ہے ۔ انسان
کی کمزوری یہ ہے ۔ کہ مال کی محبت اس کی جان کی محبت پر اکثر غالب
آجاتی ہے ۔ جسمانی اعتبار سے سب لوگ جہاد میں حصہ لینے کے اہل
نہیں ہوتے ۔ بعض چھوٹی عمر کے ہوتے ہیں ۔ بعض بوڑھے ۔ اور بعض
جسمانی کمزوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت کرنے سے معذور ہوتے
ہیں ۔ بخلاف ازیں مالی جہاد میں سبھی لوگ شرکت کر سکتے ہیں ۔ اس
لیے کہ مال کا کوئی خاص معیار مقرر نہیں ۔ صحابہ اکرام نے عسرت و افلاس
کے باوصف نہایت آڑے وقت میں جس طرح مالی جہاد کیا ہے ۔ وہ
تاریخ اسلام کا روشن باب ہے ۔ ان ہی کی حاتمانہ فیاضیوں سے
دین حق کا باغ چمن آرائے نبوت کے ہاتھوں سرسبز و شاداب ہوا ۔
اور اسی لیے اسلام میں ان بزرگوں کا بہت بڑا مرتبہ ہے ۔ قرآن
میں فرمایا ہے بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے
مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ۔ ہر نیک کام اور ہر فرض کی
ادائیگی میں اپنی جان و مال اور اپنی دماغی قوت صرف کرنے کا

نام بھی اسلام میں جہاد ہے۔ سید سلیمان ندوی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وہ لڑنے مرنے کا موقعہ ہر مسلمان کو کم دبیش ہی پیش آتا ہے۔ مگر حق کی راہ میں دائمی جہاد وہ جہاد ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش آسکتا ہے۔ اس لئے حضرتِ محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر امتی پر فرض ہے۔ کہ دین کی حمایت، علم دین کی اشاعت، حق کی نصرت، غریبوں کی مدد، زیر دستوں کی امداد، سیاہ کاروں کی ہدایت امر بالمعروف نہی عن المنکر اقامت عدل۔ ردِ ظلم، اور احکامِ الٰہی کی تعمیل میں ہمہ تن اور ہمہ وقت لگا رہے۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کی ہر جنبش و سکون جہاد بن جائے۔ اور اس کی پوری زندگی جہاد کا ایک غیر منقطع سلسلہ نظر آئے۔

تگ و دو جہد و سعی اور کدو کاوش کے بغیر دنیا کا کوئی کام انجام نہیں پاتا۔ اگر کسان کی کوشش شاملِ حال نہ ہو تو کھیتیاں خشک ہو جائیں۔ ہرے بھرے کھیتوں کا نام و نشان نظر نہ آئے۔ تجارتی زندگی میں جو چہل پہل نظر آتی ہے یہ تاجروں کے سرمایہ و محنت کی کرشمہ سازی ہے۔ علم و ادب کے میدان میں بلند پایہ ادباء اور مصنفین، اگر تحقیق و تدقیق کے گھوڑے نہ دوڑاتے تو آج علمی کتب کا نام و نشان بھی نظر نہ آتا۔ دینِ حق کی نشر و اشاعت اگرچہ خداوند کریم نے اپنے ذمہ لی ہے۔ تاہم اہلِ

ایمان کو حکم دیا ہے۔ کہ قلم و زبان اور سیف و سنان سے اس کے نشو و ارتقاء کے لیے کوشاں رہیں۔ بنا بریں جہاد فکری، قولی، عملی اور مالی ہر لحاظ سے ہو سکتا ہے۔ علوم و فنون میں غور و فکر، دعوتِ حق کی راہ میں مجاہدانہ سرفروشی۔ میدانِ عمل میں جسم و جان کی سخت کوشی اور مال و متاع کی قربانی سب جہاد میں شامل ہیں۔

قرآن میں فرمایا "مومن وہی ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ اور اس میں ڈگمگائیں نہیں۔ اور خدا کے راستہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے کوشش کریں۔ یہی سچے ہیں لوگ"۔

اور کوئی جہاد کرتا ہے۔ وہ اپنے نفس کے لیے جہاد کرتا ہے بیشک اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اسلامی جہاد کی تازہ ترین مثال پاکستان اور بھارت کی ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ ہے۔ جسے دنیائے اسلام کے علماء نے جہادِ عظیم قرار دیا۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے اچانک بین الاقوامی سرحد عبور کر کے ظلمتِ شب میں پاکستان پر بزدلانہ حملہ کر دیا۔ پاکستانی فوج نے اپنی روایتی جرأت مندی شجاعت اور عزم محکم سے پاکستان کی تاریخ میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیا۔ اور ایک بار پھر دنیا کو دکھا دیا۔ کہ پاکستانی مسلمان ایک زندہ اور متحد قوم کی حیثیت میں ہر وقت اپنی مقدس سرزمین کی حفاظت کے لیے ہمہ تن مستعد ہیں۔ پاکستان نے اس جہاد میں اپنی سرحدوں کی اس طرح

حفاظت کی جیسے کوئی شیر اپنے کچھار کا بچاؤ کر رہا ہو۔ اور اپنے سے بہت بڑی فوج کو شکست دی۔

اِس میں ذرہ بھر شک نہیں۔ کہ یہ پاک بھارت جنگ صحیح معنی میں اسلامی جہاد اور کفر و اسلام کی جنگ تھی۔ اس میں شرکت کرنے والے مجاہد و غازی اور اس میں کام آنے والے یقیناً شہید ہیں جن لوگوں نے اِس میں جسم و جان مال و منال سامان رسد کی بہم رسانی یا کسی طرح بھی تعاون کا حق ادا کیا۔ وہ عنداللہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ یہ جہاد اِس امر کا روشن ثبوت ہے۔ کہ دورِ حاضر کے مسلمان ناقص العمل ہونے کے باوصف ایمان و ایقان جرأت و ہمت اور عزم و استقلال کا زندہ پیکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جب ہم اِس جدید دور کی طرف نظر دوڑائیں تو اپنے اِرد گرد پھیلے ہوئے تمام حالات کا ہم بخوبی جائزہ کر سکتے ہیں۔ اور انسانیت کے روگ بھی عیاں ملا جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا معاشرہ دکھوں کا گھر ہے۔ ہم کرب اور اذیت کے سایوں میں سسک رہے ہیں ہماری زندگی آنسوؤں، آہوں اور حسرتوں سے عبارت تعلیم یافتہ نوجوان بہت ہیں مگر انہیں ملازمت نہیں ملتی۔ ہنرمند شہری ہیں۔ انہیں روزگار حاصل نہیں۔ بیوہ عورتیں ہیں۔ انہیں سہارا میسر نہیں۔ یتیم بچے ہیں جو دستِ شفقت سے محروم ہیں۔ معذور انسان ہیں۔ وہ بیساکھیاں

ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اور وہ بدنصیب خانداں ہیں۔ جن کے چولہے نہیں ولِ جلتے ہیں۔

زندگی کی یہ سوگوار کہانیاں قریباً ہر گلی۔ ہر محلے اور ہر شہر میں بکھری ہوئی ہیں۔ ہمارے اردگرد رنج و محن، حسرت و یاس، ناامیدی و محرومی، غربت و افلاس اور مایوسیوں اور ناکامیوں کا تو ایک انبوہ کثیر ہے۔ معاشرے کے دُکھ انسانیت کی، زندگی کے کرب اور احساس کے درد کی پرچھائیاں تو بے شمار ہیں۔ لیکن ان زرد چہروں، روگی روحوں اور زخمی دِلوں کے علاج کے لئے مرہم کا سامان کہیں نظر نہیں آتا۔ لیکن اگر ہم یہ چاہیں کہ بیروزگاروں کو بھوک سے مرنے سے بچالیا جائے۔ بیواؤں اور یتیموں کو دامن پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اور حاجت مند شہری انسانوں کی طرح جیئیں ہم کیڑوں کی طرح رینگتے ہوئے نہ مریں۔ ان کی زندگی آنسو بہاتے اور غم سہتے ہوئے نہ گزرے۔ وُہ بھی عام لوگوں کی طرح ہنستے مسکراتے ہوئے حالات کا حصہ بن سکیں! تو اِس کے لیے ہمیں اپنے اِن تاریک راستوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنی تقدیر کا اندھیرا دُور کرنا ہوگا۔ اور اس کے لیے ہمیں حوصلہ کی شمع اپنے ساتھ رکھنی ہوگی۔ کیونکہ جس خدا نے ساری کائنات کو بنایا ہے۔ اِس کے خزانے میں یقیناً ہمارے لیے بھی کچھ ہے۔ حدود مقرر کرنے والے ہم خود ہیں۔ خدا تو ہماری پیاسی رُوحوں کے لیے امرت برساتا ہے۔ باہر کے

افلاس کو جنم سے پہلے رن نے افلاس کو جنیئے - اور اپنے خیالات اور سوچوں پر قابو پائیے - اور جہاد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے -

ایک ایسے معاشرے میں جہاں چاروں طرف دکھوں اور مصائب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا - کلفتوں اور صعوبتوں کا دوسرا نام زندگی ہے - حال آنسو ہیں اور مستقبل مایوسی - ندریس معاشرے میں ہم اپنے گرد چھائے ہوئے اندھیرے کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے - کتنا اچھا ہو کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کا دکھ درد سمجھے اور احساس کرے - جس کے دامن میں کلیاں کم اور کانٹے زیادہ ہوں - اور دوسروں کے خار آلودہ دامن کو بچانے کی فکر کرے - خودغرضی اور خود فریبی کو چھوڑ کر ایک دوسرے کے کام آئیں -

کیونکہ یہ انسان کے اعمال ہی ہیں - جو اس دنیا کی زندگی کو اس کے لیئے بھڑکی ہوئی آگ کی طرح جلانے والی اور تڑپا تڑپا کر اذیتیں اور تکلیفیں دینے والی خوفناک چیز بن جاتی ہے - اور انسان اپنے اعمال ہی کی وجہ سے آخرت کی زندگی دوزخ میں گذارے گا - جہاں آگ کی حدت اور اس کی تپش سے اس کی چربی پگھل جائے گی اور یہ بھی انسانی اعمال ہی کی برکت ہے - کہ انسان اس دنیا کی زندگی سکھ اور چین، اطمینان اور سکون سے بسر کرتا ہے - اور آخرت میں بھی اُسے جنت کا آرام اور آسائش میسر آتی ہے -

اس دورِ جدید میں جہاد ہمارے معاشرے کا ہر فرد اسی

صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب اسکے دل میں خدا کا خوف ہو۔ بندہ ہونے کا شعور ہو۔ خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری وجواب دہی کا احساس ہو۔ اور اس بات کا زندہ ادراک ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ جہاں خدا نے کچھ عمر دے کر مجھے بھیجا ہے۔ آخرت میں میری نجات کا فیصلہ اس چیز پر منحصر ہے۔ کہ امتحان گاہ میں اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں۔ ان بے انتہا سامانوں پر کس طرح تصرف کرتا ہوں۔ جو خدا نے مجھے دیئے ہیں۔ اور ان انسانوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہوں۔ جن سے میری زندگی متعلق ہے۔ یہ احساس وشعور جس شخص میں پیدا ہو جائے۔ اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی ذہنی حس تیز ہو جاتی ہے۔ اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے۔ جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اس کا احساسِ فرض اسے مجبور کرتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے تمام حکموں کو پوری فرمانبرداری کے ساتھ بجا لائے۔ اس کی خدا ترسی اس موقعہ پر اس کے قدموں میں لغزش پیدا کر دیتی ہے۔ جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔ اس خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے۔ کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔

رسولِ پاکؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی ساری زندگی جہاد تھی۔ مکہ میں مسلمانوں کی جمعیت کم تھی۔ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ لیکن ان کے پائے استقلال میں

لغزش نہ آئی۔ انہوں نے دین کی خاطر بہت تکلیفیں برداشت کیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں انکی قوت بڑھی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے مخالفوں کو ظلم سے روک سکیں۔ اس وقت انہوں نے دین کی حمایت میں تلوار بھی اٹھائی۔ اس کے علاوہ جب کبھی ضرورت پڑی۔ انہوں نے اپنا مال اللہ کی راہ میں پیش کیا۔

درخت دوسروں کے فائدہ کے لیے سایہ دیتے ہیں۔ اور وہ خود دھوپ میں کھڑے رہتے ہیں۔ اور تمازت برداشت کرتے ہیں۔ پھر دوسروں کے فائدہ کے لیے پھل دیتے ہیں۔ اچھے لوگوں کا کردار درختوں کی مانند ہے۔ اس فانی جسم کا کیا فائدہ کہ اگر اسے دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ صندل کی لکڑی کو جتنا رگڑیں گے۔ وہ اتنی ہی خوشبو دے گی۔ گنے کو جتنا زیادہ نچوڑو گے۔ اتنا ہی رس نکلے گا۔ سونے کو جب بھی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے۔ تو وہ کندن بن جاتا ہے۔ اسی طرح سے آزمائش ایک آدمی کی اچھائیوں کو اجاگر کرتی ہے۔

حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی پاک سیرت میں ہمارے لیے جہاد کا بہترین نمونہ ہے۔ جس کا اتباع کر کے ہم دنیا میں سرخرو اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

پاکستان ایک غریب ملک ہے۔ اس کی بنیاد اسلامی قوانین کے تحت رکھی گئی ہے۔ لیکن اس وقت یہ جس دور سے گزر رہا ہے۔ یہ سوائے ملک کے سربراہ کے کوئی نہیں جان سکتا۔

کیونکہ یہ جدید دور اس ملک کے ہر شخص کے لیے آزمائش کی گھڑی ہے۔ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ جہاد کرے۔ اور پاکستان کی ترقی کی راہیں ہموار کرے۔ اور جن اصولوں پر پاکستان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ان کی پیروی کرے۔ اور ان ظالموں اور سفاکوں کا منہ توڑ دے۔ جو ہمارے اس پیارے پاکستان کو تباہ کرنے کے لیے پے در پے وار کر رہے ہیں۔

ہمارے لیے ان سے نجات حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ اگر ہم ان ظلموں کے خلاف جہاد کریں۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ تو ہر ناممکن کام کو بھی ممکن بنا سکتے ہیں۔

# جہادِ فی سبیل اللہ

ریحانہ بیگم۔ میانوالی۔

جہاد کے بارے میں بحث کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ ہم اُمّت مسلمہ کی ذمہ داریوں کے بارے میں مختصر طور پر جائزہ لیں تاکہ جہاد جو اپنے اندر افادیت اور اہمیت کے پہلو در پہلو چھپائے ہوئے ہے۔ ان میں سے کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اُمّتِ مسلمہ کو فضیلت دیتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وکذٰلک جعلنکم امۃً وسطًا لتکونوا

یعنی تم کو اسی طرح بہتر اور درمیانی اُمّت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے تمام لوگوں کے لیے ہمارے نازل کردہ دین کے شاہد رہو اور ہمارا رسُول تمہارے لیے شاہد رہے۔ البقرہ (۱۴۳)

گویا امت وسط ہونے کی حیثیت سے اس پر مندرجہ ذیل ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

(۱) محض اُمّتی خصوصیت کی بنا پر مخصوص تقاضہ ہے اور وہ یہ کہ اس کا فرض ہے کہ وہ خدا کے اس پسندیدہ دین کو دنیا کے گوشے گوشے، قریے قریے میں پھیلائے ہر قوم کے سامنے اس کا نہ صرف بیان ہوتا رہے بلکہ برابر اور لگاتار ہوتا رہے تاکہ ایک طرف سے اُمّتِ مسلم ہونے کی حیثیت سے ذمہ فارغ ہوتا ہے بلکہ دوسری طرف منشاء الٰہی بھی پوری ہو جاتی ہے کیونکہ اُمّتِ مسلمہ کو اجتماعی اور انفرادی طور پہ اس کی ذمے دار ہے۔ نیز قرآن مجید میں صرف چند اقوام اہل کتاب کی حامل ٹھہرائی گیئں ہیں۔ اب بقیہ اقوام جن تک

کوئی شریعت نہیں پہنچی۔ حالانکہ وہ ایمان لانے کی مکلف بھی ٹھہری ہے۔ جب تک الہامی پیغام ان تک نہ پہنچایا جائے تو وہ کس طرح اس آفاقی پیغام کو جان سکیں گی۔ پھر ایمان کی باری تو ذرا بعد میں آتی ہے اور پھر ایک آفاقی پیغام محض آفاقی ہونا بھی اس بات کا بین ثبوت ہے۔ اس کو پھیل جانا چاہئے نہ کہ اس کو راز بنا دیا جائے یا اس کو مخفی رکھا جائے اور وہ اقوام بے خبری میں سزا پا جائیں تو فرض امت کا یہی ہے کہ وہ ان اقوام تک پیغام پہنچائیں اور پھر اگر امتِ مسلمہ کی یہ منشا ہے کہ وہ ایمان لائیں تو ان تک پہنچانا پھر انہیں کا فرض بنتا ہے۔

جب تک محسن و مبلغ اعظم اس دنیا میں موجود رہا۔ اس آفاقی پیغام کا حق ادا ہوا۔ لیکن نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ بس یہی اس کا حق تھا۔ بلکہ تا قیامت اس کا مطالبہ ہے۔ کہ اس کا حق ادا کیا جاتا رہے۔ گویا یہی اس کی عملی شکل ہے۔

(۲)۔ یہ تبلیغ محض عام نہیں بلکہ ایک گواہی اور شہادت ہوگی۔

(۳)۔ اسلام کی شہادت اسوۂ رسول صلعم سے ملتی ہے۔ گویا مسلمان کا عمل ہو بہو اسوۂ رسول کی تصویر ہو۔ اور یہ تمام ذمے داریاں جب ہی پوری ہو سکتی ہیں۔ جب ان کی بنیاد صبر، استقلال اور اخلاص پر ہو۔

## جہاد کے معنی

جہاد کے معنی یہی ہیں کہ کسی کام کے لئے کوشش کرنا۔ تو دینی اصلاح میں اس کو ہدایت کے راستے میں کھڑی ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی جو بھرپور کوشش کی جائے گی۔ خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔ جہادِ فی سبیل اللہ کہلائے گی۔ آنحضرت صلعم کا ارشادِ گرامی ہے۔ الجہادُ خلقاء۔

# ہمہ گیریت

اُمت مسلمہ کی اس ذمے داری میں معمولی پن نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی ہمہ گیریت پائی جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ۔ تم ایک بہترین اُمت ہو۔ جو سارے انسانوں کی بھلائی کے لئے بنائی گئی ہو۔ اور یہی اس کے پہلا اور آخری مقصد ہے۔ امت وسط اور خیر امت ایک صفاتی نام ہے۔ اور اگر یہ صفت پوری نہ ہو۔ وہ اس کے استحقاق سے محروم ہو جائے گی۔

ارشاد ربانی ہے۔ "اس نے تمہیں منتخب کیا ہے اور تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی اپنے باپ ابراہیم کے راستے کی پیروی کرو۔ اس نے تمہارا نام پہلے ہی مسلم رکھ دیا ہے۔ تاکہ رسول تمہارے لئے اور تم لوگوں کے لئے نشاندار ہو۔ اور شخص اپنی ذمہ داری کی وجہ سے وہ پیغبر تو نہیں مگر اس کا درجہ ضرور رکھتی ہے۔ الحج ۷۔

نیز فرمایا۔ فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین۔ پس ہم ضرور حساب لیں گے۔ ان لوگوں سے جن کے پاس پیغبر بھیجے گئے۔ اور پیغبروں سے بھی حساب لیں گے۔ اعراف ۶

# تبلیغ کی صورتیں

(۱)۔ قولی تبلیغ یہ ہے۔ کہ اسلام کے بنیادی عقاید سے لے کر احکام تک پوری دنیا کے سامنے موزوں طریقے پر پیش کئے جائیں۔ تاکہ غیر مسلموں کو اپنے دین اور دین اسلام میں موازنہ کرنے میں کچھ دقت اور رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ علم و عقل اور فطرت اور وجود کے دلائل مہیا کیے جائیں۔ اور غیر اسلام پر

بدلائل تنقید بھی کی جائے۔ اور ان کے مذہب اور افکار سے مکمل آگاہی حاصل کر کے ہی ایسا کیا جا سکتا ہے۔

(۳) - اسلام اور باطل قوتوں کے درمیان فرق اس طرح واضح کیا جائے کہ اس وقت کا انسان مانوس ہو۔ کیونکہ قرآن مجید نے بھی زمانے کے لحاظ سے لوگوں کا مانوس اسلوب اور طرزِ استدلال اختیار کیا ہے۔ عمل کا طریقہ کار یہ ہوگا۔ کہ پہلے تبلیغ سے خود بھی مجسم ہو کر دکھایا جائے۔ انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی قول اور فعل کا تضاد نہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے کہ "جو تم کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو"۔ عقائد پر مکمل یقین ہو۔ اور معیشت، معاشرت، سیاست، معاملات پورا نظامِ زندگی اسکے قول کی نشاندہی کرتی ہو۔

## جہاد کی جامعیّت

یہ ایک جامع لفظ ہے۔ اور مندرجہ بالا ذمہ داری جو امت مسلمہ پر آگئی ہے۔ تو یقیناً دنیا میں حق کے ساتھ ساتھ شر کی موجودگی کا لازمی ردِ عمل ہدایت میں رکاوٹ کی صورت میں ہوگا۔ جو تمام نظامہائے زندگی پر محیط ہوگا۔ اور چونکہ اسلام ایک دین فطرت ہے۔ یعنی محض عبادات اور تعزیرات کا مجموعہ نہیں بلکہ دین ہے جو معاملات اور اصلاحات زندگی پر محیط ہے۔

بقولِ اقبال۔ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔۔

اور اب جہاں جہاں اور جس جس صورت میں ہدایت اور آفاقی پیغام کے راستے میں رکاوٹ ہوگی۔ اسکو دور کرنے کی جو صورت ہو، چاہیئے ادنیٰ درجے کی یا اعلیٰ درجے کی سب پر جہاد فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوگا۔ اور جب تک زندگی

موجود ہے ۔ شر، ظلم، اور باطل قوتیں موجود ہیں ۔جب تک ہی جہاد فی سبیل اللہ کا وجود رہے گا ۔ امتِ مسلمہ کی جملہ ذمہ داریاں ایک طرح سے جہاد فی سبیل اللہ ہی کی مختلف شاخیں ہیں ۔ البتہ اس کے حالات صورتیں اور اقسام مختلف ہونگے

## جہاد کا تعیّن

چونکہ جہاد کا تعیّن حالات کرتے ہیں ۔ اور حالات کی جو شکل بھی ہو جہاد فی سبیل اللہ کا وجود اتنا لچک دار ہے ۔کہ حالات کے مطابق ڈھل جاتا ہے ۔ اور اس پر کسی خاص زمانے یا کسی بھی محدود حالات کے تحت پابندی یا قدغن نہیں لگائی جا سکتی ہے ۔ اور نہ ہی اپنے قدیم ہونے کی وجہ سے فرسودہ ٹھہرایا جا سکتا ہے ۔ اور یہی اس کے پہلو در پہلو وجود کا ثبوت بھی ہے اور کامیابی کا ضامن بھی

## جہاد کی صورتیں

اس کی بنیادی طور پر تین اشکال یا اقسام ہیں ۔ جو متعین ہیں ۔ اور ہر زمانے اور ہر قسم کے حالات کے مطابق البتہ ان بنیادی اقسام پر جو ان کے انجام دینے کے طریقے ہیں کو ایک لحاظ سے فروعی حیثیت حاصل ہوتی ہے ۔ اور اس کی یہی فروعی حیثیت اس کو جدید رکھتی ہے ۔ لہذا دور جدید میں بھی اسکی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

(۱) داخلی جہاد ۔ (۲) دعوتی اور فکری جہاد ۔ (۳) مسلح جہاد ۔

## داخلی جہاد ۔

اسلامی معاشرے میں جو برائیاں ہیں۔ ان کا قلع قمع کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ باہر اسلامی دعوت جب تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک اندرون اسلام زیادہ سے زیادہ بھلائی۔ نیکی کا پرچار ہو۔ جس کی تبلیغ وہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے باہر پھیلانے چلے ہیں۔ تو کردار اور قول کی یکسانیت اچھا اور موثر ردِعمل کا باعث ہو۔ آنحضور صلعم کا قول ہے۔ "پس جس نے نافرمان کے خلاف اپنے ہاتھوں سے جہاد کیا وہ مومن ہے۔ اور جس نے اپنی زبان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اور جس نے اپنے قلب سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہوتا۔ (بحوالہ مسلم مشکواۃ)

اس حدیث سے ایک تو مسلم معاشرے کی برائی ضلالت کے خاتمے کی کوشش کرنا ہے۔ اور دوم عملی صورتوں کے ایمانی درجات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ اوّل برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے پر اسکا اختیار نہ ہو۔ تو اس کی برائی بیان کرے۔ اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو کم از کم اس کے لئے دل میں شدید مزاحمتی جذبات رکھے۔ اس کے دور کرنے کے لئے آرزو اور دعا سے کام لے۔ آنحضور کا ارشادِ گرامی ہے۔ ائتمروا بالمعروف وتناہوا عن المنکر ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین کرو۔ اور برائی سے ایک دوسرے کو روکو۔ یہ داخلی جہاد کی اجتماعی اور انفرادی شکل ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

والمومنون والمومنٰت بعضھم اولیا بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر

مومن نزد

اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی رفیق ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائی سے روکتے ہیں۔

## داخلی جہاد بطور اصلاح معاشرہ

اگر اسلام کے ارکان نماز۔ روزہ۔ زکواۃ۔ حج وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ یہ ارکان صحیح ظلم اور برائیوں سے پاک معاشرہ اور ریاست کے قیام کے لیے ابتدائی ٹریننگ کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ امت مسلمہ کو نیابت الہی کا فریضہ بھی انجام دینا ہے۔ تو اس کے لئے اسلامی ریاست کے قیام کی بھاری ذمے داری صرف اسی طرح پوری ہو سکتی ہے۔ اور یہ طریقہ ہے۔ اصلاح ریاست کیونکہ اگر وہ اسلامی طریق پر قائم نہ ہو۔ تو اس کی اصلاح کیلئے اٹھ کھڑے ہونا بھی جہاد کی شکل ہے۔ کیونکہ اگر کسی برائی کا ارتکاب ریاست میں ہو رہا ہو۔ اور حکمران طبقہ اس کو نہ روکے تو یقیناً اس کی برائی کے پھلنے پھولنے اور بڑھنے میں کسی حد تک ریاست ملوث ہو گی۔ اور اس کی وجہ خدا کی حاکمیت کو قائم کرنے کی بجائے انسانوں کی حاکیت کا قائم ہونا ہے۔ بہترین اسلامی ریاست آنحضور صلعم اور خلفائے راشدین رضہ نے قائم کی۔ کیونکہ آپ کا مقصد ایک نظام کی جگہ دوسرا بگڑا نظام لانا نہیں تھا۔ بلکہ بگاڑ کی اصلاح کرنا تھا۔ کیونکہ اگر ایک فرعون کو ہٹا کر خود فرعون بن جائے۔ یا دوسرا فرعون بٹھا دیا جائے تو نہ ہی مقصد حل ہوا۔ اور مسئلہ جوں کا توں رہا۔ نیز دنیا کے تمام دینوں کا فطری تقاضا اس کا

مکمل غلبہ اور قبضہ ہے۔ اور اسلام کا بھی یہی فطری تقاضہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عقائد ایک دین کے ہوں۔ احکامات دوسرے دین کے چلیں۔ تو اسلام خدا کی حاکمیت۔ اقتدار کا تقاضا کرتا ہے۔ تو کونسی غیر فطری بات ہوئی۔ اگر وہ خوف خدا۔ قوانین الٰہی کا نفاذ اور تقویٰ اور خدائے ذوالجلال کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کا احساس کرتا ہے۔ تو یہی اسکا مقصود اول و آخری ہے اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔ ان الحکم الا للہِ امر الا تعبدوا الا ایاہ حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

## داخلی جہاد بطور اصلاح معیشت

ارشادِ ربانی اس طرح ہے۔ وات ذی القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل۔ اپنے غریب رشتہ دار کو اسکا حق دے اور مسکین اور مسافر کو۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ (ترجمہ)

تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اس سے اللہ کی رضا کے سوا تمہارا نہیں ہوتا۔ البقرہ ۲۷۲ یہ ہے قانونِ الٰہی اور اگر ایسا نہ ہو تو لوگوں سے زکوٰۃ کی وصول یابی کرنا بھی ایک قسم کا داخلی جہاد ہوگا۔ اگرچہ زکوٰۃ کے لئے مسلح جہاد بھی کرنا ضروری ہے اگر حالات کا تقاضا ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

(ترجمہ) ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک اور صاف کر دو۔ اسطرح یہ حکومت کا فریضہ ٹھہرا کہ وہ اس

نظام کو نہ صرف اس طریق پر بنائے کہ ایک طرف تو غربا کی حاجت روائی ہو۔
اور دوسری طرف اِن کے مالوں کو پاکیزہ بھی بنایا جائے۔ مزید فرمایا۔

(ترجمہ)

یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے
فقرا میں تقسیم کروں۔ یہاں پر حضرت ابوبکرؓ کی مثال دینا ضروری ہو گی۔ تاکہ داخلی
جہاد کی ضرورت اور اہمیت اور واضح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر
یہ لوگ اِس زکوٰۃ میں سے جو رسول اللہ صلعم کے عہد میں دیا کرتے تھے۔ ایک اونٹ باندھنے
کی رسی بھی روکیں گے۔ تو میں ان پر تلوار اٹھاؤں گا۔ اور منکرین زکوٰۃ سے آپ نے
فی الحقیقت تلوار اٹھائی تھی۔ خود باری تعالٰے فرما رہا ہے۔

(ترجمہ)

تباہی ہے ان مشرکین کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ آخرت سے منکر ہیں
پھر اس معاشی نظام کو دولت کی مساوی تقسیم کی بنیاد پر نہیں بلکہ
دولت کی منصفانہ تقسیم کی بنیاد یعنی Equitable پر واضح کیا جائے۔
مساوی تقسیم کی قباحت یہ ہے۔ کہ مختلف ذہن مختلف صلاحیتوں کے لوگوں
کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ پھر میراث کا قانون۔ پابندی حدود آزاد معیشت۔
حلال و حرام کی تمیز۔ سود وغیرہ تمام باتیں معاشی نظام میں آجاتی ہیں۔ اور
ارتکازِ دولت بھی۔ لہذا ان تمام کو اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر
چلانے کی کوشش بھی داخلی جہاد ہو گا۔ اور اس میں کسی زمانے کی کوئی
قید نہیں ہے۔

# (۲) دعوتی اور فکری جہاد

اس کی شکل داخلی بھی ہے۔ اور خارجی بھی۔ داخلی اس طرح کہ دعوتِ الیٰ الحق اندرونِ اسلام بھی ہوگی۔ اور بیرونِ اسلام بھی۔ داخلی طور اس میں صرف اتنا فرق ہوگا مسلمانوں کی محض اصلاح ہوگی۔ جبکہ غیر مسلموں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ بنیادی عقائد کی دعوت نہ ہوگی بلکہ بعض کٹر اور ڈھیٹ قسم کے غیر مسلموں کے بے بنیاد اعتراضات اور الزامات کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان شہادتوں اور دلائل کا عمدگی کے ساتھ توڑ کرنا ہی جہاد ہے۔ اور دورِ جدید کی اہم ضرورت بھی تاکہ اسلام قدیم ہونے کی وجہ سے اپنے چہرے پر کسی معمولی قسم کا بھی غبار محسوس نہ کرے۔ اور یہ جہاد کرنے کے طریق کار پر منحصر ہوگا۔ اسکی بہترین مثال آنحضور صلعم کا مکی دور ہے۔ کہ جہاں آپ نے ۲۳ برس کا عرصہ محض دعوتی اور فکری جہاد پر صرف کر دیا خود خدا تعالےٰ فرماتے ہیں۔

تم ان منکرین اسلام کا کہنا نہ مانو۔ اور قرآن کے ذریعے ان سے پورا پورا جہاد کرو۔ اس سے قرآن بھی بحیثیت مجاہد کے سامنے آیا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ قرآن کے دلائل برابر پیش کرتے رہو۔ کیونکہ اس کی مضبوطی کے آگے غیر مسلموں کے کمزور طرزِ استدلال بالآخر دم توڑ گئے۔ لیکن یہ اصول امت مسلمہ کے لیے مستنبط ہوتا ہے اور وہ ہر وقت اور ہر زمانے میں اُتنا ہی نیا۔ اتنا ہی جدید ہے جتنا اپنے ابتدائی زمانے میں تھا۔ اگرچہ آج کل اسکے ناکام ہونے کی وجہ محض دعوت الی الحق کے ساتھ خلوص اور استقلال سے بے توجہی کا برتنا

ہے۔ آنحضور صلعم کا ارشادِ گرامی ہے کہ

(ابو داؤد) مشرکوں سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعے جہاد کرو۔

دراصل استدلال اسلحہ سے لڑنے کا نام ہی فکری جہاد ہے۔ اور اس کے لیے کسی خاص زمانے کی قید نہیں ہو گی۔ جدید دور میں اس جہاد کی ضرورت اسی طرح موجود ہے۔ جس طرح ابتدائی زمانے میں تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

(ترجمہ) ۔ اے محمد صلعم یہ لوگ تمہارے سامنے جو انوکھے سے انوکھے اعتراض بھی لیکر آئیں گے ہم اس کے جواب میں تمہیں ٹھیک بات اور بہترین وضاحت والی دلیل ضرور بتائیں گے۔ الفرقان ۲۲۔

اس جہاد کا طریقہ دل نشین اور خوبصورت اور بہت اچھا ہو۔ اور عقل اور نفسیات کی بنیاد پہ ہو۔ چونکہ دینِ اسلام، دینِ فطرت بھی ہے۔ لہٰذا جہاد کے ڈھانچے میں انسانی نفسیات بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید آفاقی ہے۔ جس کی دعوت عام اور لامحدود ہے۔

(ترجمہ) اور تمہیں اہلِ کتاب کی طرف سے بھی مشرکوں کی طرف سے بھی بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ اگر ایسے وقت تم نے صبر سے کام لیا اور تقویٰ کی روش پہ جمے رہے۔ تو بلاشبہ یہ بڑے حوصلے کی بات ہو گی۔ (ترجمہ) آلِ عمران (۱۸۷)

فکری جہاد کا مقصد تزکیۂ نفوس بھی ہے۔ لہٰذا قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔

اسکے علاوہ کہ قرآن توحید۔ عبادات دینِ آخرت۔ نبوت پر دعوتِ فکر دی ہے۔ لیکن ایک اصطلاح "توازن" کی بھی استعمال کی ہے۔ اور یہی وہ بہترین خوبی ہے۔ فکری جہاد کی جس پر ہر زمانے کے لوگ بھی باہم اتفاق کرتے رہے۔ اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

قرآن کا عطا کردہ مقصد حیات یہ ہے۔ کہ ہم جس مقام پر ہوں۔ جن صلاحیتوں کے مالک ہوں جس پیشے سے متعلق ہوں۔ ہماری تمام سرگرمیوں کا مقصد ساری دنیا میں اصلاح اور فلاح کا وہ پیغام بذریعہ قول وعمل پہنچانا ہے۔ جس پر قرآن مشتمل ہے۔ انفرادی حیثیت سے اور اجتماعی حیثیت سے بھی تمام قومی منافرتیں تمام نسلی عصبیتیں تمام لسانی اور وطنی دیواریں بیچ میں سے ہٹا دی گئی ہیں۔ تمام دوسرے مفاد و مقاصد کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ قرآن کے مومن کا ایک ہی مقصد ہے۔ ہر شخص ہر گروہ ہر قوم اور ساری انسانیت کو قرآنی نظام عدل و احسان کے قریب لاتا ہے۔ از قرآن کی اساسی تعلیمات سیارہ ڈائجسٹ)۔۔

مندرجہ بالا پیرے سے یہ بات سامنے کھل کر آجاتی ہے۔ کہ دورِ جدید کی اقوام خواہ مسلمان ہیں یا نہیں ان میں جاہ پرستی، جنس پرستی، نفس پرستی محض دلچسپی کا عنوان اور مرکز ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے۔ تو صرف اتنا کہ غیر مسلموں کی طرح ابھی مسلمانوں نے ان بیماریوں کا اثر کسی حد تک نسبتاً کم لیا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس یورش کو روکنے کے لئے فکری۔ دعوتی جہاد کیا جائے۔ اور

مسلمانوں اور خاص کر غیر مسلم اقوام جو قعرِ مذلت میں گردن گردن ڈوب چکے ہیں کہ اس جارحیت، بداخلاقی، ظلم اور دیگر برائیوں سے بچایا جائے۔

# مسلح جہاد

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔

آنحضور صلعم نے فرمایا" جہاد تا قیامت جاری رہے گا۔ اور نہ کسی ظالم کا ظلم اسے روک سکتا ہے۔ اور نہ عادل کا عدل یعنی اللہ کا کلمہ بلند کرنے والے جن کا مقصد ہی ظلم کو مٹانا ہے۔ وہ ظلم کے مقابلے میں دب کر اس سے سمجھوتہ کیسے کر سکتے ہیں۔ اور عادل کا عدل بھی جب ہی قائم رہ سکتا ہے۔ جبکہ جہاد کا عمل جاری رہے۔ چونکہ جہاد کی قسم کا تعین بھی حالات ہی کرتے ہیں۔ یعنی اس طرح کہ زمین پر فساد برپا کر دیا جائے۔ انسان کے تمدنی حقوق جن میں اولیت زندہ رہنا اور رہنے دینا ہے۔ پامال کیا جائے۔ خدا کے نیک بندوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے۔ کمزوروں پہ طاقتوروں کی حکومت قائم ہو۔ پر مسلح جہاد کا نیام ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں احترام حیات انسان سزا کے خوف پر وضع کیا گیا ہے۔ لیکن اسلام نے قتل کے ساتھ بالحق کی پابندی عائد کر کے اس کو بھی حق کو انسانی زندگی سے بھی محترم قرار دیا۔ کیونکہ کسی سے اس کی زندگی چھین لینا اتنا ظلم نہ ہو گا۔ جتنا قبیح ظلم کسی سے اس کی حق پرستی کا چھین لینا ہے۔ اگرچہ قتل کی قرآن میں ان الفاظ میں شدید مذمت

کی گئی ہے۔

(ترجمہ)

جس نے کسی انسان کو قتل کیا۔ گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جس نے کسی کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔ . مائدہ ۔ (۳۲)

دوسری جگہ نیک بندوں کی صفات بیان فرماتے ہوئے قتل ناحق کی طرف توجہ دلائی۔

(ترجمہ)

. وہ اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے۔ بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے یا زنا نہیں کرتے اور جو کوئی ایسا کرے گا۔ وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا (الفرقان - ۶۸ - ۶۹)

آنحضور صلعم کا قولِ مبارک ہے۔

مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی قتل کو جائز بھی ٹھہرایا۔ تو اس میں کوئی تناقض یا تضاد یا باہم ٹکراؤ نہیں پایا جاتا۔ فرمایا اللہ تعالے نے۔

اِن سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اور فرمایا

(ترجمہ) . لڑتے جاؤ یہاں تک جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

تناقض کی بجائے دونوں اقوال میں تطابق اس طرح ہوگا۔

یہی نہیں فرمایا بلکہ بالحق قتل کی جہاد کی شکل دیکر خدا کی خوشنودی ورضا کا ذریعہ بنا دیا۔ اِس طرح ایک طرف تو مظلوم اور ستم رسیدیوں کو ظلم سے

نجات دلائی۔ دوسری طرف مجاہدین کو جنت کی بشارت دی۔ اور نہ صرف بشارت دی بلکہ جہاد کرنا فرض انسانی اور فرض مسلمانی ٹھہرا۔ نیز احترام حیات انسانی صرف اسی وقت تک ہوگا جب تک کوئی بھی شخص عائد کردہ پابندیوں سے تجاوز کرے۔ اس کے زندہ رہنے کی قیمت زمین میں فساد اور مظلوموں کو تنگ کرنا نہ ہوگی۔ بلکہ اصل ضرورت قیام امن کی ہے۔ تاکہ سب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مادی یا روحانی امن میں آزاد رہے اس میں کسی کی دخل اندازی نہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۔ گویا زمین کو فساد سے پاک رکھنے کے لیے بھی مسلح جہاد کی ضرورت ہے۔

چونکہ جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے تو جن حالات میں جہاد قائم ہوتا ہو۔ اس وقت یہ ایک اخلاقی فرض بھی بن جاتا ہے۔ دفع شر ظلم سے زمین کو بچایا جائے۔ قرآن مجید دلیل پیش کرتا ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ ۔ الحج ۴۰۔ اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو اور گرجے اور اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ مسمار کر دیئے جاتے۔ اس آیت میں صرف مسلمانوں کی مسجدوں کا ذکر ہی نہیں۔ بلکہ مزید تین الفاظ صوامع۔ بیع اور صلوات کا ذکر ہے۔ تو اب جہاد صرف مسلمان مظلوموں کے لیے محدود نہ ہوگا۔ بلکہ اسکا حکم عام ہے۔ اور ہر مذہب اور ملت کے ستم رسیدہ

نیک اور عبادت گزار اور بے ضرر لوگوں کو شر۔ فساد اور ظلم سے بچانا بھی اسلامی جہاد کے دائرے میں آتا ہے۔ دوسری جگہ جالوت کی سرکشی سے مثال دی گئی ہے، وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

**ترجمہ** - البقرہ ۲۵۱- اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔ مگر دنیا والوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

جب ابتداء میں مسلمانوں کو قتل کی اجازت دی گئی جب بھی یہی کیا گیا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ ۔۔۔۔۔

کہ ظالم لوگ بے قصور کو گھروں سے باہر نکال لیتے ہیں۔ اور ظلم کرتے ہیں یہ نہیں کہا کہ وہ کسی ملک کے مالک ہیں۔ یا ان کے پاس باغات ہیں۔ منڈیاں ہیں۔ پھر ریاست اور اجتماعی نظام کے بقا اور تحفظ کے لیے بھی جہاد ضروری ہے۔ پھر جہاد میں جانے کے طریقے بیان اس طرح فرمائے۔

**ترجمہ**

۶۱:۴۔ بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو لڑتے ہیں۔ اس کی رہ میں صف بستہ ہو کر جیسے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

(ترجمہ)

۹:۱۱۱ بے شک اللہ نے خرید لی ہیں۔ مومنوں کی جانیں ان کی مال۔ ان جنت

کے بدلے۔ وہ لڑائی کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں دم مارتے ہیں۔ اور جانیں بھی دیتے ہیں۔ ؎

جنگ شاہانِ جہاں غارت گری ست
جنگِ مومن سنتِ پیغمبری ست

جنگِ مومن چیست ؟ ہجرت سوئے دوست
ترکِ دُنیا ، اختیارِ کوئے دوست

# جہاد۔ ہر دور کی ضرورت

اسلامی نظام حیات دراصل ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے حصے نہیں کیے جا سکتے۔ اس کے نزدیک معاشی ، سیاسی ، معاشرتی اور مذہبی نظام کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ایک ہی نظام ہے جو خدا کی توحید اور رسولوں کی رسالت پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے اخلاقی نظام بنتا ہے۔ اسی سے عبادات کا نظام بنتا ہے۔ جس کو مذہبی نظام کہا جاتا ہے۔ اسی سے معاشرتی نظام نکلتا ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کے لیے لازمی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ بعد از اسلام ان تمام شعبہائے زندگی میں کوئی جہد۔ کوئی کوشش کی گئی ہے۔ یا اس کا تعلق کسی خاص زمانے سے رہا ہے۔ اوّل تو آنحضور صلعم کی پوری زندگی پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا۔ کہ آپ مجسم جہاد تھے۔ کبھی آپ مکی دور میں زبانی جہاد میں مصروف نظر آتے ہیں۔ تو کہیں میدان جنگ میں باطل کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ اور

کبھی دعوتی اور فکری جہاد جو بیرونی دنیا کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کو بذریعہ خطوط کرتے نظر آتے ہیں۔ چلیئے اگر یہ بات مان لی جائے۔ کہ وہ پیغمبر تھے۔ اور اس وقت دینِ اسلام ارتقائی مراحل میں بھی تھا۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ جو چیز اپنے ابتدائی مرحلے میں ہوتی ہے۔ لوگوں کے لیے نئی ہونے کی وجہ سے پُرکشش بھی ہوتی ہے۔ دوسرے ابھی اس سے مکمل تجربہ بھی حاصل نہیں ہوا ہوتا۔ تیسرے کہ وہ چیز جو اس کا پیش کرنے والا بذات خود پیش کر سکتا ہے۔ یقیناً دوسرے لوگ اس انداز کو اختیار نہیں کر سکتے۔ لیکن دینِ اسلام کی بات جدا ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ آفاقی ہونے کی بنا پر کہ اس کو بھیجنے والا اللہ تعالےٰ ہے۔ دوسرے اس کو رسول صلعم کی ذاتِ گرامی نے لوگوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ کے تربیت یافتہ لوگ یعنی صحابہ کرامؓ جنہوں نے براہ راست آپ کی صحبت کا گہرا اثر لیا تھا۔ نے بھی اسلام کو داخلی، فکری اور مسلح جہاد کے ذریعے سے نہ صرف قائم کیا۔ بلکہ اس کو لامحدود طریق پر وسیع بھی کیا۔ یہ جہاد کا ابتدائی تجرباتی مرحلہ تھا۔ اس کی باگ ڈور مخلص لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا ہے۔ اور اسلامی حکومت میں کچھ کچھ معاشرتی برائیاں مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیتی ہیں۔ اگرچہ غلبہ اسلام کا ہے۔ اس لیے برائیوں کو پھیلنے کا موقع نہیں ملا۔

# اسلامی جہاد اسلامی تحریکوں میں

(۱) ابتدا ہم امام حسینؓ سے کرتے ہیں جنہوں نے باطل قوتوں کے آگے ہر قسم کی قربانی سے گریز نہیں کیا۔ بقول شاعر ؎

شاہ است حسینؓ۔ بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ۔ دین پناہ است حسینؓ۔
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ۔

(۲) ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کو لے لیں۔ کہ انہوں نے سندھ سے ایک مظلوم عورت کی آواز پہ لبیک کہہ کر راجہ داہر کے خلاف طویل فاصلوں کو پس پشت ڈال کر عزم جہاد ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہندوستان کو اسلام سے روشناس بھی کراتے ہیں۔

پھر ہم ۱۸-۱۹ ویں صدی میں جو جو اسلامی تحریکیں چلیں۔ مختصراً ان کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ان تحریکوں کے پسِ پردہ آیا جہاد کا پہلو تھا یا کشور کشائی مقصد تھا۔ یا پھر جابر سلطان کے آگے کلمہ حق کہنا تھا۔ یا اصولوں پہ سمجھوتا کر لیا گیا!

(۳) حضرت شیخ سرہندی مجدد الف ثانی کا اکبر اعظم کے دینِ الٰہی کے خلاف کلمہ حق کہنے کی جرأت کو، تاریخ آج بھی یادگار الفاظ میں یاد کرتی ہے

(۴) خاندانِ مغلیہ رو بہ زوال ہے۔ اور نگ زیب عالمگیر باوجود راسخ العقیدہ مسلمان ہوتے اسلام پہ بیرونی اثرات سے مسلم حکومت کو بچا نہیں سکا۔ معاشرے میں سیاسی، معاشی نظام کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ ایسے اللہ کے نیک بندے شاہ ولی اللہ جو حالات پہ گہری نظر رکھے ہوئے ہیں۔

جہاد کے لیے کمر ہمت باندھتے ہیں۔ یعنی ایک طرف تو سیاسی جہاد میں مصروف نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف "فتوئے عالمگیر" اور قرآن مجید کا آسان بہم ترجمہ کر کے لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ نیز غیر مسلموں کو اسلام کے صحیح خط و خال سے روشناس بھی کراتے ہیں۔ پھر ان صاحبزادوں عبدالقادر اور دیگر قرآن مجید کا اردو ترجمہ کر کے ان کے مشن کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بدلتے زمانے کے تقاضوں کے تحت جہاد دبستانِ فقہ میں تطابق کر کے لوگوں کے ذہنوں سے کشمکش کو دور بھی کرتے۔ گویا مجسم جہاد نظر آتے ہیں۔

(۵) ان کے بعد شاہ اسماعیل شہید۔ اور سید احمد بریلوی اسی جہادی تحریک کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اسی کوشش میں شہادت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ ہندوستان کے بعید ترین علاقے سے سرحد کی طرف محض جہاد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ کیا اِن کا جہاد شوق شہادت سے معمور نہیں تھا۔

(۶) اِسی عرصے میں فرائضی تحریک حاجی شریعت اللہ چلاتے ہیں۔ کیا انہوں نے کشور کشائی یا اقتدار کے لیے جنگ لڑی نہیں بلکہ مقصد محض اسلام کا نفاذ تھا۔

(۷) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی مسلمانوں کا جابر سلطان یعنی انگریزوں کے سامنے کلمہ حق کہنا کی بہترین مثال تھی۔ لیکن یہ ناکامی کے باوجود یہ وقتی طور پر دبا دی گئی۔ لیکن آئندہ ۱۸۵۸ سے لے کر

۱۸۹۸ء تک پھر خدا کے نیک بندوں نے اسی تحریک جہاد کو کسی دوسری شکل اور دوسرے نام سے چلایا۔ یہ سرسید احمد خاں تھے۔ جنہوں نے قلمی جہاد کیا۔ اس کی بہترین مثال آج تک علی گڑھ کالج کا قیام اور مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم کی تحریک تھی۔

(۸) جمال الدین افغانی اسی زمانے میں وحدت اسلامیہ کا نظریہ لے کر اٹھتے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ اقبال بھی انہیں کے حامی نظر آتے ہیں۔ اور اسلامی ریاست کا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ ان کی شاعری خود بقول ان کے کہ میں بنیادی طور پر شاعر نہیں۔ بلکہ شعروں میں ایک نظریہ ہے۔ ایک پیغام ہے۔ جو میں مسلمانوں کو دیتا ہوں۔ اس پر دھیان دینا چاہیے۔ تو ان کا یہ جذبہ کیا جہاد نہ تھا؟۔

(۹) ریشمی رومال کی تحریک ۱۹۱۴ء میں چلائی گئی تھی۔ جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی سرکردگی میں اس میں مولانا عبیداللہ سندھی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی۔ حاجی ترنگزئی۔ سرتور فقیر۔ ھڈے ملا۔ منڈاکی بابا جی نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ان مولانا عثمانی نے اپنی شعلہ بیانی سے میدان جہاد ہموار کیا اور بقیہ حضرات نے مسلح جہاد کیا۔ انگریزوں کے خلاف انہوں نے مدرسہ دیوبند اور سرحد کے علاقوں میں مختلف سکول قائم کیے۔ جن کا مقصد دینی تعلیم کے علاوہ اہمیت جہاد کی تعلیم دیکر انگریزوں کے خلاف مسلح جہاد کے لیے تیار کرنا تھا۔ بقول شاعر۔ کامل اس فرقۂ زہاد سے نکلا نہ کوئی

کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے۔

(۱۰) جمال الدین افغانی نے Pan Islamism کی بنیاد اس آیت

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

پر رکھی تھی۔ سنوسی الکبیر کی تحریک جو شمالی افریقہ میں چلائی گئی۔ پتہ چلتا خالصتاً اسلامی ریاست کے قیام کے لیے تھی ان کا اصول باطل کے آگے سر جھکانا نہ تھا بلکہ ان کا اصول اصولی اسلامی تصور نیکی پہ تھا۔

I "To do good and avoid evil".

II. The person they dis like the most are those who speak ill of Muslims.

ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ غلاموں کے قافلے خرید کر انہیں تعلیم دیکر مبلغین کی حیثیت سے اور گرد کے علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ انہوں نے دعوتی فکری جہاد قائم کیا۔ اور فرانسیسی فوج کے خلاف باقاعدہ تربیت یافتہ فوج بھی مسلح جہاد کے لیے تیار کی تھی۔ ان کی جنگی بصیرت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

# جہاد کی ضرورت دورِ جدید میں

مندرجہ بالا تحریکی جہاد سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جہاد دراصل مکافاتِ عمل کی صورت بھی رکھتی ہے۔ اور عبادت کا درجہ بھی۔ ان تحریکوں کو بنظرِ غائب دیکھا جائے۔ تو ایک بات سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ تمام سرکردہ لوگ یا تو علماء یا فقیر اور درویش صفت تھے۔ گویا جتنی سادہ زندگی رکھنے والے لوگ

ہوں گے وہ اتنے ہی مذہب کے نزدیک ہوں گے اور مذہب کا قرب ہی ان میں خالص جذبہ جہاد پیدا کرتا ہے۔ دورِ جدید بھی زمانے کا حصّہ ہے۔ اگر پچھلے ادوار میں اس کے بہتر طریقوں سے مختلف ہے۔ تو بہتر طریقوں سے مشترک بھی ہے۔ مثلاً مکافاتِ عمل ہر زمانے کا امتیازی وصف رہا ہے۔ تو دورِ جدید سے بہترین ہے۔

البتہ اب مکافات کا دائرہ کار ذرا وسیع ہوگا کیونکہ اب جہالت نئی شکلوں اور جدید ہتھیار سجائے ہوئے ہے۔ لٰہذا اب جہاد یا کوششوں کو بھی اسی کے معیار پر لانا ہوگا۔ پچھلی تمام تحریکوں کے ناکامی اسباب کا پتہ لگا کر ان کا سدِّباب کرنا ہوگا۔ تاکہ آئندہ ہمارا جہاد پچھلی ناکامی کی نظر نہ ہو جائے جہاد کی ضرورت اور اہمیت دورِ جدید میں مزید بڑھ گئی ہے۔ تاکہ نئے مسائل جو سامنے آرہے ہیں۔ اجتہاد نہ ہونے کی وجہ لوگوں کے لیے درخورِ اعتنا نہ سمجھے جائیں۔ اور دیگر مذاہب کی طرح اسلام پر بھی محدود زمانے کی چھاپ لگ جائے۔ ہمیں اپنے گرد و پیش کو نہایت چابکدستی سے اپنے ہاتھ میں رکھنا ہوگا۔ مبادا نیابت الٰہی جیسے اہم منصب کی باگ ڈور ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے۔ ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی محاسبہ کرنا ہوگا۔ مسئلہ فلسطین اور دیگر مسلمان حکومتوں کو جو جو مسائل درپیش ہیں انہیں حل کرنے کے لیے اپنے کردار کو نہ صرف قابلِ اصلاح بنایا جائے گا بلکہ اصلاح میں درپیش غیر مسلموں کے ہتھیاروں سے بچاؤ کی صورت پیدا کرنی ہوگی۔

یورپ میں پیدا شدہ بے حیائی کی طرف سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں اسلام کی طرف بلا کر فکری اور دعوتی جہاد کرنا ہوگا۔ آج کل نوجوان طبقہ خاص طور پہ قابل توجہ ہے۔ جس میں منشیات کا استعمال روز بروز بڑھ رہا ہے۔ جو انہوں نے اپنے مسائل کی طرف سے وقتی طور پر بے فکر کر کے مستقلاً "مجسم مسائل" بنا دیتا ہے۔ اُن کردار کی تہذیب کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔ لوگوں کے جان و مال عزت کی حفاظت کرنا جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔ مجرموں کی طرف سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہی تو ہیں جن کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے۔ ان کے خلاف سختی سے اقدام جہاد کرنا ضروری ہے۔

غیر مسلموں کے اعتراضات اور ان کے خلاف فوجی نظام کو اِن ہی کے مقابلے میں لانا بھی ضروری ہے۔ مندرجہ بالا مسائل کا جب پچھلے ادوار سے موازنہ کیا جائے۔ تو اس وقت جہاد کی ضرورت لازمی نظر آتی ہے۔ پس ہم مندرجہ تحقیق کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ دور جدید میں بھی جہاد کی ضرورت بعینہٖ اسی طرح موجود ہے۔ جس طرح ابتدا میں تھی۔ اور جب تک شر، ظلم موجود ہے۔ جہاد کی لزوم سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بقول اقبال۔ مہ، کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

یا رب یہ جہاں گزراں خوب ہے لیکن

کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش ہنرمند؟

# مُسلم اتحّاد

سلمیٰ نازؔ کراچی۔

دور خواہ کوئی بھی ہو۔ خواہ وہ زمانہ آج سے چودہ سو سال قبل کا ہو یا موجودہ دور یا آج سے سینکڑوں برس بعد آنے والا زمانہ اس کرۂ ارض پر دو مختلف قوتیں اور دو مختلف حریف ایک دوسرے سے یونہی برسرِ پیکار نظر آئیں گے۔ اگر ایک طرف نیکی بدی کے خلاف جہاد کرتی نظر آئے گی تو دوسری طرف روشنی تاریکی کو اپنی سفید اور پاکیزہ کرنوں سے منور کرنے کی کوشش کر رہی ہو گی۔ اگر ایک جانب سرمایہ دار مزدور کے جسم سے خون کا آخری قطرہ نچوڑ لینا چاہے گا تو دوسری طرف کچھ سرمایہ دار ایسے بھی ہوں گے جو مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دیں گے اگر ہمیں ایک طرف کچھ ظالم نظر آئیں گے تو دوسری طرف خدا کے کچھ بندے ایسے بھی ہوں گے۔ جو ان ظالموں کے سر کچلنے کے لیے میدانِ عمل میں نکلیں گے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ اور روز و شب کا عمل خیر اور شر نیکی اور بدی تاریکی اور روشنی کے سہارے ہی چل رہا ہے۔ اگر ایک شخص رات کو رہزن کا روپ دھار کر نقب لگاتا ہے تو دوسری طرف ایک عابد و زاہد ساری رات خدا کے حضور سربسجود رہتا ہے کہ "زندگی اسی کا نام ہے"۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "جدید دور میں جہاد کی ضرورت" تو اس سلسلے میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جہاد ہر زمانے میں مسلمانوں پر فرض رہا ہے لیکن جدید دور میں اس کی اہمیت کچھ یوں بڑھ گئی ہے۔

کہ آج کچھ ایسی نفسانفسی کا عالم ہے کہ ہر شخص دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے اور اس نام نہاد برتری کے اختیار کرنے کے لیے جتنے غیر اخلاقی کام کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے ضمیر کے خلاف جتنے غیر قانونی اور غیر اسلامی فعل کئے جاتے ہیں۔ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا نام ہی جہاد ہے۔

جہاد اپنے اندر معنی و مفہوم کی ایک وسیع دنیا رکھتا ہے" جہاد" قولی بھی ہو سکتا ہے۔ عملی بھی مالی بھی اور جانی بھی" دورِ جدید" میں بلکہ ہم اپنے ترقی یافتہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جب ذرا اپنے وطن اور کردار پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں بے حد ندامت ہوتی ہے کہ ہم وہی قوم ہیں کہ جس کے ہادی حضرت احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیا ہم سرورِ کونینؐ کے امتی ہیں۔ کیا ہمارے اعمال ایسے ہیں کہ ہماری آخرت سنور سکے۔

"موجودہ دور" جو کہ سائنسی دور بھی ہے اور ایٹمی دور بھی اس ایٹمی دور میں مسلمانوں کے پاس صرف ایک طاقت ہے اور وہ قوت ہے" جہاد" اور ہم یعنی مسلمان ایسی طاقت کے بل پر ہی معاشی، معاشرتی، اخلاقی، اقتصادی مسائل حل کر سکتے ہیں۔

اوّل تو یہ کہ موجودہ دور میں معاشی ناہمواری کچھ اس قدر بڑھ گئی امراء اور غرباء کے درمیان فاصلے کچھ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ" مساوات کا تصور ہی محال ہے"۔ معاش کے سلسلے میں جدید دور میں مسلمانوں کا یہ جہاد ہونا چاہیئے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ سود بنک کاری، جوا، سٹہ

اور ناجائز کاروبار ختم کیا جائے اور مزدوروں کی اتنی اُجرت ضرور ملے کہ وہ اپنی گذر اوقات بآسانی کر سکیں۔ اس سلسلے میں قوم کے خوشحال اور صاحب حیثیت طبقے کو تھوڑی سی قربانی بلکہ دوسرے لفظوں میں جہاد یہ کرنا ہوگا کہ وہ غیر ضروری اخراجات کم کریں اور زیادہ منافع کمانے کا خیال ترک کر دیں۔

اسلام ایک ایسا معاشی نظام پیش کرتا ہے جس میں مال کا صدقہ بھی دیا جاتا۔ جسے دوسرے لفظوں میں "جہاد" کہا جا سکتا ہے۔ خدا کی خوشنودی اور رضا کی رضا کی خاطر اپنے مال میں سے کچھ محتاجوں میں تقسیم کر دینا ہی زکوٰۃ ہے۔ ہم جب اپنی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایسی عظیم قربانی دینے والے انسان بھی ملتے ہیں جو انسان تو تھے مگر انسانوں سے بہت بلند حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیارے فرزند کو خدا کی راہ میں بخوشی قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف اس پاداش میں رد کا خدا کو ماننے سے باز آ جائیں۔ آگ میں ڈال دیا گیا تو وہ گلزار بن گئی۔ یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے کہ خدا اپنی راہ میں قربانی دینے والوں کو کتنا بڑا اجر دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیغمبر بن گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کا ایک اعلیٰ اور بے مثال نمونہ قائم کیا۔ جہاد جبر و تشدد تو نہیں سکھاتا۔ صرف عجز و انکساری کے ساتھ خدا کی راہ میں قربان ہونے کا گر بتلاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ معاشرتی ہے بقول ارسطو کے "انسان سماجی حیوان ہے" اور یہ حقیقت بھی ہے کیونکہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک مختلف بندھنوں میں جکڑا ہوتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کو چند کردار آدمی بڑا بنا دیتے ہیں اور

اور جہاد اسی کا نام ہے کہ انسان نہ صرف اپنا بلکہ معاشرے کے دیگر لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرے اور اپنے اردگرد کے ماحول کو پراگندہ ہونے سے بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرے کیونکہ اخلاق ایک ایسا ہتھیار ہے جو بگڑے لوگوں کو بھی سنوار سکتا ہے۔ یہ بھی خدا کی راہ میں انسانوں کی بھلائی کے لیے "جہاد" ہے۔

تعلیم کے سلسلے میں ہمارا "جہاد" یہ ہونا چاہیئے کہ متعلّم اور معلّم دونوں اپنے اپنے فرائض کو احسن طریقے سے ادا کریں ایک طالب علم کا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ وہ وسائل کی کمی کے باوجود حصولِ علم کے لیے نکلے اور جو کچھ حاصل کرے۔ اسے ملک و قوم کی بہتر ترقی کے لیے استعمال کرے۔ اس کے پیشِ نظر اعلیٰ مقاصد ہوں اور تعلیمی ادارے کو محض تفریح گاہ سمجھنے کی بجائے مقدس گہوارہ جانے اساتذہ کا احترام کرے اور اپنی تعلیم کے ساتھ پورا پورا انصاف کرے۔ اس کے ساتھ ہی اساتذہ کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ یہ سوچ کر درس گاہوں میں پڑھانے آئیں کہ انہیں ملک کے مستقبل کی تعمیر کرنی ہے۔ اساتذہ اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کا نمونہ ہوں یہی ان کا بڑا جہاد ہے۔

ایک اہم "جہاد" اپنے نفس کا جہاد ہے۔ بے جا خواہشات سے اپنے نفس کو پاک رکھنا اور ناجائز خواہشات کو مسلّط نہ کرنا۔ ناجائز ذرائع استعمال نہ کرنا۔ اپنے ناجائز حقوق کے لیے دوسروں کے حقوق غضب نہ کرنا۔ بلکہ اپنی ذات کو تھوڑا سا آزمائش میں ڈال کر دوسروں کی خدمت کرنا بقولِ شاعر

"جدید دور میں جہاد کی ضرورت" کچھ اس لیے بھی بڑھ گئی ہے کہ آج ہر شخص مشین بنا ہوا ہے۔ ایسے مشینی دور میں ان اخلاقی ضابطوں کی اشد ضرورت ہے۔ جس پر عمل کر کے آج بھی مسلمان اپنا کھویا ہوا۔ وقار حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم وہ دور کیسے بھول جائیں۔ جب کہ بدر وحنین میں مسلمانوں کو اپنی تعداد کے کم اور سامانِ جنگ کی کمی کے باوجود فتح ونصرت حاصل ہوئی۔ مومن کو صرف اللہ تعالیٰ کا ڈر رہتا ہے اور اس کا نام سُن کر اس کا دل دہل جاتا ہے۔

آج کے دور میں جسے ہم دورِ جدید کہتے ہیں۔ جہاد کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ آج کی سب سے اہم ضرورت اتحاد ہے اور یہ اتحاد صرف جہاد کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ آج مسلمانوں کی ترقی کا ضامن صرف جہاد ہے اور وقت کی اہم ضرورت صرف جہاد ہی ہے کہ جس کے ذریعے ہی ہم اقوامِ عالم پر چھا سکتے ہیں کہ "خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

# حرفِ آخر!

قارئینِ کرام!

آپ حضرات نوجوان نسل کے جذبہ جہاد اور ایمان کے افکار کو پڑھ چکے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ نے جہاد کا جذبہ اپنے اندر بھی اِس کتاب کے مطالعہ سے موجزن پایا ہوگا۔ آپ کی خدمت میں تنظیم الجہاد - ۳۱۳ - پاکستان کی طرف سے انشاءاللہ بہت جلد اسی کتاب "الجہاد" کی دوسری مبسوط جلد بھی پیش کی جائے گی۔ جو کہ ابھی زیرِ طبع ہے۔ دوسری جلد کے اندر آپ حضرات پاکستان کی جوان بیٹیوں کا جذبہ جہاد، ان کے الفاظ میں ایک دلکش انداز میں پائیں گے۔ اگر آپ حضرات کی دُعائیں شاملِ حال رہیں اور آپ کا تعاون ہمیں حاصل رہا تو انشاءاللہ بہت جلد آپ اپنے ہاتھوں میں "الجہاد" کی جلد دوئم پائیں گے۔ اس پہلی جلد کے اندر اگر کوئی خامی یا غلطی نظر آئے تو اپنی تجاویز اور اصلاحی مشورہ جات سے ہمیں مطلع فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کتاب کو بہتر سے بہتر طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا جاسکے۔

مزید برآں آپ حضرات کو ہم تنظیم میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارا پتہ درجِ ذیل ہے۔

والسلام

آپکا ساتھی

محمد عفت اللہ - چیرمین تنظیم الجہاد ۳۱۳ -
پاکستان - ۵/۲۴ بلال گنج - امیر روڈ - لاہور

اللهم احيني سعيدا ومیتني شهيدا

اے اللہ سعادت کی زندگی اور شہادت کی زندگی عطا فرما،